Regd. L. No. 7243

Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر 1971

اس پرچہ میں

نالۂ بیباک

پرویز صاحب کا استقبالیہ

آئندہ پرچہ

کنونشن نمبر

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ - لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوع اسلام

لاہور

بدل اشتراک	ٹیلیفون	قیمت فی پرچہ
پاکستان سالانہ ـــــ دس روپے غیر ممالک سالانہ ـــــ ایک پونڈ	۸۰۸۰۰ خط و کتابت ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور	ایک روپیہ
نمبر ۱۲	دسمبر ۱۹۷۱ء	جلد ۲۴

فہرست

۱۔ لمعات ـــــ ۲

۲۔ مودودی صاحب کی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" پر ایک نظر ـــــ (شاہد علی ڈول) ـــــ ۱۱

۳۔ نالۂ بیباک ـــــ (محترم پرویز صاحب) ـــــ ۲۵

۴۔ ہم پر اعتراضات اور انکے جوابات ـــــ (محترم عبدالحکیم خان مرحوم) ـــــ ۴۱

۵۔ دو قومی نظریہ کی کیا درگت بن رہی ہے ـــــ ۴۸

۶۔ دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے ـــــ ۵۱

ایڈیٹر محمد طفیل، ناشر سراج الحق۔ مقام اشاعت ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف۔ مطبوعہ اشرف پریس۔ ایبک روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

یہ سسک سسک کے مرنا غمِ ہجر میں بلا ہے

دنیا میں سب سے بڑا عذاب، کسی قوم کا تذبذب یا تعلّق (SUSPENSE) کی حالت میں رہنا ہے۔ کسی خطرہ کا سامنے آکر کھڑے ہو جانا اتنا وجۂ اضطراب نہیں ہوتا جتنا اس کے متعلق عدمِ یقین کا یہ عالم کہ — اب چھری صیاد نے لی، اب قفس کا در کھلا — جہنم کا بھی وہ شدید ترین عذاب ہے جس کے متعلق قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ (۱۴/۱۷)، وہاں موت ہر طرف سے آتی دکھائی دے گی لیکن موت آئے گی نہیں۔ بیم و رجا اور عدمِ تیقن کا یہی وہ جہنمی عذاب ہے جس میں یہ سوختہ بخت قوم تقریباً دو سال سے گرفتار چلی آرہی ہے۔ اور یہ (۱۹۷۱ء کا) سال تو ایسے کرب و الم میں گزرا ہے جیسے کسی پھانسی پانے والے کی اپیل زیرِ غور ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ اضطرابی کیفیت، ہندوستان کی طرف سے جنگ کی دھمکیوں کی پیدا کردہ بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قوم اس کی وجہ سے اتنی پریشان نہیں۔ وہ جنگ کے لئے آمادہ ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے متعلق جو فیصلہ بھی ہونا ہے جلدی سے ہو۔ لیکن اس کے قلبی اضطراب اور سوزِ جگر کا بنیادی سبب مشرقی پاکستان کا مسئلہ — یعنی شیخ مجیب الرحمٰن کا مستقبل ہے۔ مجیب کا مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت ہے اس لئے قوم کو خواہی نخواہی اس کے فیصلہ کا انتظار کرنا ہے۔ معاملہ اگر اسی انتظار تک رہے تو بھی وہ اسے کسی نہ کسی طرح برداشت کرلے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس قسم کی خبریں بھی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں جن سے یہ تاثر عام ہو جاتا ہے کہ اس باب میں آخری فیصلہ عدالت کا بھی نہیں ہوگا۔ مثلاً پچھلے دنوں امریکن میگزین، نیوز ویک کے سینئر ایڈیٹر کو صدرِ مملکت نے جو انٹرویو دیا اس میں حسبِ ذیل سوال و جواب بھی منصۂ شہود پر آئے۔

سوال:- اگر شیخ مجیب الرحمٰن کو اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا جائے کہ وہ مشرقی پاکستان جا کر اپنی جدوجہد کو داخلی خود مختاری تک محدود رکھیگا، اور اس کے بعد فوج کو بارکوں میں بھیج دیا جائے تو آپ کے خیال میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

جواب:- ممکن ہے بعض لوگ مجھ سے متفق نہ ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ اگر مجیب اپنے وطن واپس جائے تو اس کے اپنے آدمی ہی اسے قتل کر ڈالیں، کیونکہ وہ اپنی تمام تکالیف اور مصائب کا اسی کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ یہ شخص مجھ سے دو سال تک داخلی خود مختاری کے مسئلہ پر بات چیت کرتا رہا، اور آخر کار اپنے الفاظ سے پھر گیا۔ اس نے مملکت کے خلاف مسلح بغاوت کو منظم بھی کیا اور اس کی قیادت بھی کی۔ اس نے چھ بٹالین فوج، پولیس اور ایسٹ پاکستان رائفلز کو، جو تقریباً ساٹھ ہزار نفری پر مشتمل تھی، حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اسکے ساتھ ہندوستانی

ایجنٹ بھی شامل تھے۔ اس نے کوشش کی کہ مشرقی پاکستان کو مملکتِ پاکستان سے الگ کر کے (ایک علیحدہ خود مختار مملکت) قائم کر لی جائے۔ ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم اس بغاوت کو فرو کریں۔ کوئی اور حکومت بھی ہوتی تو اسے یہی کچھ کرنا پڑتا۔ اب کہو کہ میں ایسے شخص کو واپس بلا کر اس سے گفتگوئے مصالحت کس طرح شروع کر دوں؟ اس کے خلاف، مملکت کے خلاف مسلح جنگ کرنے اور فوج کو ورغلانے کے الزامات ہیں۔ مسٹر بروہی جو ملک کے بہترین اور معزز ترین وکیل ہیں، اس کے مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر انہیں عدالت کی طرف سے گول مال کرنے کا ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو وہ اس مقدمہ کو کبھی ہاتھ میں نہ لیتے۔ میں نے یہ نہیں کیا کہ مجیب کو پہلے گولی سے اڑا دیتا اور اس کے بعد اس پر مقدمہ چلاتا جیسا کہ اکثر حکومتیں کیا کرتی ہیں۔

اس کے بعد صدرِ محترم نے کہا۔

عدالت کے فیصلہ کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا، اس کا دار و مدار سربراہِ مملکت کے اختیاراتِ خصوصی پر ہے۔ میں اسے یونہی ترنگ میں آ کر رہا نہیں کر سکتا۔ یہ بڑی عظیم اور گراں ذمہ داری کا سوال ہے۔

ہاں، اگر قوم اسے رہا کرنے کا مطالبہ کرے تو میں ایسا کر دوں گا۔ (پاکستان ٹائمز - ۷ نومبر ۱۹۷۱ء)

آپ نے غور کیا کہ اس سے حرفِ آخر، عدالت کا فیصلہ بھی نہ رہا۔ قوم کی طرف سے رہائی کا مطالبہ، اور سربراہِ مملکت کے اختیاراتِ خصوصی کا ذکر بھی سامنے آ گیا ــــ

اور "قوم" کی طرف سے اس مطالبہ کا آغاز بھی ہو گیا۔ چنانچہ اخبارات میں حسبِ ذیل خبر بھی شائع ہو گئی ــ ہم اس خبر کے ساتھ مطالبہ کرنے والے "حضرات" کے ناموں کی فہرست بھی درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ جب آنے والا مؤرخ اس مملکت کی تباہی کے اسباب کی تحقیق کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ یہاں اس قسم کے "جعفر و صادق" بھی موجود تھے۔ خبر یہ ہے:۔

"مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۴۴ افراد نے جن میں تحریکِ استقلال پاکستان کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان اور قومی اسمبلی کے دو منتخب ارکان شامل ہیں، ایک بیان میں حکومتِ پاکستان پر زور دیا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو فی الفور رہا کر دیا جائے یا پھر ان کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ مشترکہ بیان میں حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی بحران کو ختم کرنے، ملکی وحدت اور معاشی استحکام کو برقرار رکھنے کے لئے ملک کے پہلے عام انتخابات میں منتخب ہونے والے عوامی نمائندوں کو جمہوری حکومت قائم کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

بیان پر ائیر مارشل اصغر خان کے علاوہ حسبِ ذیل نام درج ہیں۔ نصیر احمد ملہی سابق وزیرِ تعلیم و قانون پنجاب (کونسل لیگ)، احمد رضا خان قصوری رکن قومی اسمبلی، رائے شہادت خان کھرل رکن قومی اسمبلی، مرزا محمد ابراہیم صدر پاکستان ٹریڈ یونینز فیڈریشن، سی آر اسلم کنوینر پاکستان سوشلسٹ پارٹی، فیض احمد فیض، حبیب جالب، مظہر علی خان، نسیم ملک، طاہرہ مظہر علی، مولانا محمد اشفاق کنوینر پولیٹیکل ورکرز رابطہ کمیٹی، حکیم محمد قاسم کنوینر عوامی فکری محاذ، مولانا غلام محمد ہاشمی کسان کمیٹی، حسن رفیق (پاکستان ورکرز فیڈریشن)، محسن رضا، آئی۔ اے رحمٰن، عبداللہ ملک، پروفیسر ایرک سپرین، خالد محمود ایڈووکیٹ (پیپلز پارٹی)، مشتاق راج، امنت اللہ، پروفیسر امین مغل، ظفر ملک، میاں شیر ظفر، زین بخش، اے جی چوہدری بار ایٹ لا، شیر علی خان، بشیر احمد چوہدری، راس طارق چوہدری، بیگم کشور عابد حسین، ایم۔ اے خان، مولانا خالد محمود (انجمن سامراج دشمن)، مولانا عبید اللہ آفاقی (پاک عرب دوستی)، انور رشید، عزیز عجمی، ایم۔ اے ملک، ابو سعید انور

(تحریکِ استقلال)، باسط میر (پنجاب سٹوڈنٹس یونین) حافظ محمود، امۃ الرحمٰن، فہمیدہ اختر (انجمن جمہوریت پسند خواتین)
(بحوالہ امروز۔ ۵ر نومبر ۱۹۷۱ء)

مسٹر نور الامین نے صدرِ مملکت کے اس بیان کے متعلق کہا ہے کہ یہ توہینِ عدالت کے مرادف ہے۔ لیکن انہوں نے اس "مطالبہ" کے متعلق کیا کہا ہے، یہ ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔

صدرِ محترم کے اس بیان کی ابھی روشنائی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم کے ایک نمائندہ سے ان کا ایک اور انٹرویو اخبارات میں شائع ہوا جس میں انہوں نے فرمایا کہ "شیخ مجیب الرحمٰن کی قسمت کا فیصلہ عدالت کے ہاتھ میں ہے۔ جونہی عدالت فیصلہ سنائے گی مقدمہ کی مکمل کارروائی شائع کر دی جائے گی"۔ (امروز۔ ۹ر نومبر ۱۹۷۱ء) براڈ کاسٹنگ سسٹم کے نمائندہ نے انٹرویو کے بعد کہا کہ

> صدر سے ملاقات کے بعد میرا تاثر یہ ہے کہ صدر یحییٰ نے کبھی یہ بات نہیں کہی کہ اگر قوم مطالبہ کرے تو وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیں گے۔ (ایضاً)

یہ ہے وہ تذبذب جس میں قوم کو مبتلا رکھا جا رہا ہے اور تماشا یہ کہ حکومت کے شعبۂ اطلاعات اور رابطۂ عامہ کے ارباب حل و عقد منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھے ہیں۔ نہ انہوں نے صدرِ محترم کے پہلے انٹرویو کے متعلق (جو ساری دنیا میں نشر ہوا ہے) ایک لفظ تک کہا اور نہ ہی اس دوسرے انٹرویو کے سلسلہ میں (جو پہلے بیان کی تردید کر رہا ہے)، قوم کو کچھ بتانا ضروری سمجھا۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان حضرات کو قوم کے جذبات کا کوئی احساس ہی نہیں۔ انہیں اس کا علم ہی نہیں کہ اس قسم کی خبروں سے قوم کے دل پر کیا گزرتی ہے اور وہ کس قسم کی کرب انگیز اعصابی کشمکش میں مبتلا ہے۔ نہ ہی انہیں اس کا احساس ہے کہ اس قسم کی یاس انگیز اعصابی کشمکش کا نفسیاتی اثر کیا ہوا کرتا ہے!

ظاہر ہے کہ جب یہ حضرات خود ہی قوم کے جذبات و احساسات سے اس قدر بے خبر اور لاپرواہ ہوں تو یہ انہیں اعلیٰ اعیانِ مملکت تک کیا پہنچائیں گے! انہیں کون بتلائے کہ جب اعیانِ مملکت قوم کے احساسات و جذبات سے بے خبر ہو جائیں تو پھر وہ مملکت تباہ ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اعیانِ حکومت حتیٰ کہ سربراہ مملکت کے ذاتی ذرائع معلومات کا تعلق ہے وہ ایک عام انسان سے زیادہ نہیں ہوتے — وہی دو آنکھیں، دو کان، ایک دماغ — ان کی برتری اس میں ہوتی ہے کہ ان کے خارجی ذرائع بہت کثیر التعداد اور مؤثر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرائع فعال نہ رہیں تو اعیانِ مملکت کی کیفیت صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کی سی ہو جاتی ہے۔ ان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں رہتا کہ قوم پر کیا بیت رہی ہے، اس کے احساسات کیا ہیں اور جذبات کیا، وہ کن آلام کا شکار ہے اور کس اضطرابی دور سے گزر رہی ہے۔ اور جب قوم اور پاسبانِ قوم میں اس قسم کا بُعد واقع ہو جائے، تو پھر وہ مملکت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے ہماری صدرِ اول کی تاریخ نے ایک واقعہ میں بڑی جامعیت سے محفوظ کر رکھا ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے۔ رات ایک صحرا میں قیام تھا۔ وہ حسبِ معمول اس خیال سے گشت کے لئے باہر نکل گئے کہ اگر وہاں کوئی بستا ہو تو اس کے احوال و کوائف سے آگاہی حاصل کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک خیمہ میں ایک بڑھیا بیٹھی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جب میرے حال کے متعلق اسی نے کچھ نہیں پوچھا کہ جسے اس کا نگران اور ذمہ دار بنایا گیا ہے تو میں دوسروں کو اپنا حال کیا بتاؤں۔ آپ نے پوچھا کہ اسکا اشارہ کس کی طرف ہے۔ اُس نے کہا کہ اُمت کے خلیفہ عمرؓ کی طرف — اور کس کی طرف! آپ نے کہا کہ تم نے عمرؓ تک اپنی

شکایت پہنچائی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں کہ میں اس تک اپنی شکایت پہنچاؤں۔ یہ اس کا کام ہے کہ معلوم کرے کہ اسکے دائرہ نگرانی میں لوگ کس حال میں رہتے ہیں! آپ نے کہا کہ مائی! وہ ہر ایک کے حالات سے کس طرح باخبر رہ سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ جواب میں کہا اس سے عمرؓ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے کہا کہ

> اگر وہ ہر ایک کے احوال سے باخبر نہیں رہ سکتا تو اس نے خدائے خبیر کا نمائندہ بن کر اس کے بندوں کی نگرانی کا ذمہ کیوں لے رکھا ہے۔ اسے چاہیئے کہ اس ذمہ داری کو کسی ایسے شخص کے سپرد کر دے جو خدا کی اس نمائندگی کو بطریقِ احسن سرانجام دے سکے۔

حضرت عمرؓ اس واقعہ کو اکثر یاد کرتے اور کہتے کہ مجھے خلافت کی ذمہ داریوں سے اس بڑھیا نے آگاہ کیا تھا۔ یہ ہے اعیانِ حکومت کی قوم کے احوال و کوائف سے باخبر رہنے کی اہمیت۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اس طرح باخبر اسی صورت میں رہ سکتے ہیں جب اُن کے ذرائع معلومات اپنا فریضہ پوری پوری صلاحیت اور دیانتداری سے سرانجام دیں۔ ان اعضاء و جوارحِ حکومت (یعنی شعبہ اطلاعات کے ذمہ دار ارکان) کا دوہرا فریضہ ہے۔ ایک یہ کہ قوم کے احساسات و جذبات، اربابِ حکومت تک صحیح صحیح طور پر پہنچائیں اور دوسرا یہ کہ اربابِ حکومت کے خیالات و تاثرات، قوم تک صحیح صحیح طور پر پہنچائیں تاکہ وہ نہ تو تذبذب کے اعصاب شکن عذاب میں مبتلا رہے اور نہ ہی افواہیں پھیلانے والے ملک دشمن عوامل کی فتنہ انگیزیوں کا شکار ہو جائے۔ ہاں! آئے دن اس قسم کی تاکیدات و تلقینات نشر ہوتی رہتی ہیں کہ قوم کو افواہوں سے محتاط رہنا چاہیئے۔ لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ افواہیں پھیلتی کیوں ہیں اور قوم ان سے محتاط اور محفوظ کس طرح رہ سکتی ہے۔ یہ پھیلتی اس لئے ہیں کہ ذمہ دار اعضائے حکومت، قوم کو صحیح حالات سے باخبر نہیں رکھتے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں تو نہ افواہیں پھیلیں، نہ قوم ان سے گمراہ ہو۔ ہم ان حضرات کو متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ ملک اس وقت بڑے ہی نازک دور سے گزر رہا ہے اور اگر قوم کچھ عرصہ تک اور اسی تذبذب انگیز حالت میں رہی، تو اس پر کامل مایوسی چھا جائے گی۔ اور قوموں پر مایوسی وہی کچھ کرتی ہے جو افراد پر فالج کرتا ہے۔ سوچئے کہ اگر پوری کی پوری قوم مفلوج ہو جائے، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا! لہٰذا، قوم کو جتنی جلدی اس بیم و رجا کی حالت سے نکال لیا جائے، اس کے مستقبل کے لئے اتنا ہی اچھا ہوگا۔

دوسری طرف خیر سے ہمارے لیڈر صاحبان ہیں۔ یہ عجیب و غریب مخلوق ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ایک شخص کو کچھ کہلانے کے لئے وہ کچھ بننا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو اُس وقت ٹیچر کہلا سکتا ہے جب اس نے (TEACHING) کی صلاحیت اور ضروری ڈگری حاصل کر لی ہو۔ حتیٰ کہ ایک شخص اپنے آپ کو موچی اس وقت کہہ سکتا ہے جب وہ کفش دوزی کا فن جانتا ہو۔ لیکن لیڈر ایک ایسی مخلوق ہے کہ جسے نہ کسی صلاحیت کی ضرورت ہے، نہ کسی ڈگری حاصل کرنے کی احتیاج۔ ایک شخص چونکہ اپنے آپ کو لیڈر کہلاتا ہے اس لئے وہ لیڈر ہے۔ حالانکہ وہی شخص لیڈر کہلا سکتا ہے جو قوم کو لیڈ (LEAD) کرے۔ قوم کی "راہ نمائی" کرے۔ اب راہ نمائی کے لئے ضروری ہے کہ کوئی متعین منزل ہو جس کیطرف قوم کی راہ نمائی کی جائے۔ قائداعظمؒ نے قوم کے لئے ایک منزل (یعنی حصولِ پاکستان) کا تعین کیا اور پھر قوم کو قدم بہ قدم اس منزل کیطرف لے کر چلے۔ اس اعتبار سے وہ قوم کے لیڈر کہلائے۔ لیکن یہ ہمارے لیڈر ہیں جو بلا تعینِ منزل قوم کو لیڈ (LEAD) کئے جا رہے ہیں۔ یہ قوم کو کس طرف لیڈ کئے جا رہے ہیں، نہ انہیں خود معلوم ہے نہ قوم کو۔ آپ کو معلوم ہے کہ سفر اور آوارگی میں کیا فرق ہوتا ہے۔

—— سفر میں پہلے منزل کا تعین کیا جاتا ہے اور پھر مسافر کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ قدم، آوارگی میں بھی اٹھتے ہیں لیکن اس میں منزل کا تعین نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ شام کو، مسافر یا اپنی مراد پا لیتا ہے یا اس کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے۔ لیکن آوارہ گرد کے حصہ میں تکان کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہ ہمارے "لیڈر" قوم کو بلا تعین منزل، صحراؤں اور بیابانوں میں لئے لئے پھرتے ہیں۔ لیکن کہلاتے ہیں "لیڈر"! کام ان کا ایک دوسرے کو گالیاں دینا' اور پروگرام ان کا' اپنی ذات کے لئے کچھ حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے مؤثر حربہ ایک سلوگن ہوتا ہے' اور سلوگن ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ آجکل مشرقی پاکستان کے انتخابات کے سلسلہ میں جو نیا محاذ قائم ہوا ہے ان کا سلوگن یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی مخالفت کے لئے متحد ہوئے ہیں جو اسلام اور اسلامی نظریہ (ISLAMIC IDEOLOGY) کے خلاف ہیں۔ اور کوئی نہیں بتاتا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اسلام اور اسلامی نظریہ کے خلاف ہیں۔ ہم نے تو یہاں کسی پارٹی کے منشور میں یہ لکھا نہیں دیکھا کہ ہم اسلام یا اسلامی نظریہ کے خلاف ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ زبان سے تو ایسا نہیں کہتے لیکن درحقیقت یہ اسلام کو مانتے نہیں، تو یہی کچھ ہر پارٹی کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔

سو، اگر حکومت کی متبنیری نے قوم کو تذبذب (SUSPENSE) کے خلا میں معلق رکھ چھوڑا ہے تو ان سیاسی راہ نماؤں نے اسے' وقفِ صحرا نوردی و دشت پیمائی کر رکھا ہے —— اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ "روم جل رہا تھا اور نیرو بنسری بجا رہا تھا" عہدِ پارینہ کا قصہ نہیں۔ ہمارے ہاں آج بھی وہی کچھ ہو رہا ہے!

———— • ————

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دین سے یہ مراد نہیں کہ اتوار کے بجائے جمعہ کو چھٹی کر لی جائے' اور رمضان المبارک کے احترام میں شراب کی فروخت (ایک ماہ کے لئے) ممنوع قرار دے دی جائے۔ نہ ہی اس سے صرف یہ مراد ہے کہ قرار دادِ مقاصد پاس کر لی جائے یا مملکت کا نام اسلامی رکھ لیا جائے۔ مراد اس سے کہیں عمیق اور وسیع ہے اور یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

سیاست میں ایک انداز یہ ہے کہ ہر قوم اپنی اپنی مصلحت اور اپنے اپنے مفاد کو پیشِ نظر رکھے اور ان کے حصول اور تحفظ کے لئے جس حربہ کی ضرورت پڑے اسے بلا تامل و توقف استعمال کر لیا جائے۔ میکیاولی نے اس اندازِ سیاست کا تصور نہایت واضح الفاظ میں دیا ہے۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق (بلکہ رسوائے عالم) کتاب (THE PRINCE) میں لکھتا ہے کہ:

سربراہِ مملکت کے لئے صفتِ روباہی نہایت ضروری ہے تاکہ وہ دجل و فریب کے جال بچھا سکے.... عقلمند حکمران وہ ہے کہ جب وہ دیکھے کہ کوئی عہد یا معاہدہ اس کے اپنے مفاد کے خلاف جاتا ہے' یا جن مصالح کے پیشِ نظر وہ معاہدہ کیا گیا تھا وہ باقی نہیں رہے' تو اسے بلا تامل توڑ ڈالے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس قسم کی عہد شکنی کے لئے نہایت نگاہ فریب دلائل بہم پہنچائے جائیں۔

اس نہج سیاست کے سرگرم علمبردار فریڈرک دوم کے یہ الفاظ ایوانات سیاست میں اکثر گونجتے رہتے ہیں کہ

کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ تم اپنے عزائم کو چھپاؤ اور اپنے کیریکٹر کو ہمیشہ زیرِ نقاب رکھو.... صحیح حکمتِ عملی یہ نہیں کہ پہلے سے متعین کر لیا جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ حکمتِ عملی یہ ہے کہ جب موقع جو صورت اپنے

فائدے کی نظر آئے، اسے اختیار کر لیا جائے۔

اسی مکتبِ فکر کا ایک اور متبع، رومیلن کہتا ہے کہ

> مملکت کا بنیادی فریضہ اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔ اسے کسی دوسری مملکت کا خیال صرف اس صورت میں رکھنا چاہیئے جبکہ اس سے اس کے اپنے مفاد کے خلاف کسی قسم کی زد نہ پڑتی ہو۔ اپنی مملکت کا استحکام ہر اخلاقی تقاضے پر مقدم ہے اور اس لئے، اس کی خاطر ہر قربانی جائز۔

اسی بنا پر لارڈ گرے کہا کرتا تھا کہ

> سلطنتوں کے معاملات اخلاقی ضابطوں کی رُو سے طے نہیں پا سکتے۔

اور والپول نے لکھا تھا کہ

> نیک آدمی کبھی کسی بڑی سلطنت کو نہیں بچا سکے۔ اس لئے کہ سلطنتوں کو بچانے کے لئے جس حد تک چلے جانا بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے، نیک آدمی وہاں تک جا نہیں سکتے۔

یہ ہے وہ سیاست جس سے دین جدا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس 'دینی سیاست' سے مراد یہ ہے کہ کچھ مستقل اقدار، کچھ ابدی اصول، کچھ غیر متغیر ضوابطِ اخلاق، کچھ غیر متبدل نظریاتِ حیات ایسے ہیں جنہیں کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان اصول وضوابط کا علم ساری دنیا کو ہوتا ہے اور دینی سیاست کی حامل قوم کے متعلق تمام اقوام کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں ان ضوابط کی پابند رہیگی۔ وہ ان کی خلاف ورزی کبھی نہیں کریگی۔ مثلاً (ان غیر متبدل اقدار میں سے) ایک قدر یا اصول یہ ہے کہ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا ۔۔۔۔ (۵/۸) کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ عدل کرو۔ اور ہر حال میں، ہر قوم کے ساتھ عدل کرو۔" دینی سیاست کی حامل قوم کے متعلق دنیا کی ہر قوم کو اطمینان ہوگا کہ وہ کبھی کسی سے، ناانصافی نہیں کریگی۔

یوں تو لادینی (میکیاولی) سیاست، ہمارے دور کا عمومی شعار ہے لیکن اس کا جس قدر شرمناک مظاہرہ، پچھلے دنوں سے، بھارت۔ پاکستان قضیے کے سلسلہ میں ہو رہا ہے، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ ہندوستان نے جھوٹ، فریب، منافقت، افسانہ تراشی، دروغ بافی اور افترا پردازی میں جس حد درجہ فراموش، ننگِ انسانیت شعار کا ثبوت دیا ہے، تاریخ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ تاسف انگیز وہ مسلک ہے جسے اس باب میں، دیگر اقوام نے اختیار کیا۔ ان اقوام نے انفرادی طور پر جس شرمناک انداز سے ہندوستان کا ساتھ دیا ـــ اور یہ جانتے ہوئے ساتھ دیا کہ وہ سراسر زیادتی کر رہا ہے ـــ اس پر عدل وانصاف جس قدر بھی ماتم کرے کم ہے۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ باعثِ الم وتاسف اس ادارہ (U.N.O) کا وطیرہ ہے جسے ان اقوام نے اس مقصد کے لئے متشکل کیا تھا کہ دنیا میں کوئی دروازہ تو ایسا ہو جہاں پر مظلوم دستک دے تو اس کی دادرسی ہو سکے۔ اس ادارہ نے ۱۹۶۵ء میں جو ڈیکلریشن منظور کیا تھا، اس کی شق اول یہ ہے کہ:

> کسی مملکت کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ، خواہ اس سے مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو، کسی دوسری مملکت کے داخلی یا خارجی معاملات میں دخل دے۔ اس لئے، اگر کوئی مملکت، کسی دوسری مملکت کے وجود، یا اس کے سیاسی، معاشی یا ثقافتی عوامل میں مسلح مداخلت، یا کسی اور انداز کی دخل اندازی یا دھمکی وغیرہ کے ذریعے دخیل ہونے کی کوشش کرے تو ہم اس کی مذمت کریں گے۔

اور اس اعلامیہ کی دوسری شق ہے کہ ؛

کسی مملکت کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ کوئی ایسی تنظیم خود کھڑی کرے یا کسی ایسی تنظیم کی مدد کرے، اُسے ابھارے، اسے مالی امداد دے، اُسے مشتعل کرے یا اُسے برداشت کرے، جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ کسی دوسری مملکت کا قوت اور تشدد سے تختہ الٹ دے، اور اس کے لئے سازش، بغاوت، یا مسلح جدوجہد اختیار کرے۔ نہ ہی کسی مملکت کے لئے کسی ایسی تنظیم اور جدوجہد کی پشت پناہی جائز ہوگی اور نہ ہی اس مملکت کے ملکی معاملات میں دخل اندازی جائز۔

اقوامِ متحدہ کے اس اعلامیہ کو سامنے رکھیے اور پھر دیکھئے کہ کیا بھارت نے، پاکستان کے خلاف وہ سب کچھ نہیں کیا جسے اس اعلامیہ نے انتہائی مذموم قرار دیا ہے۔ اسے دیکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ کیا اس ادارہ، یا جن بڑی بڑی اقوام پر یہ مشتمل ہے، ان میں سے کسی نے بھی ہندوستان کے خلاف عملی اقدام تو ایک طرف، اسے اتنا بھی کہا کہ تم اس اعلامیہ کی خلاف ورزی کیوں کر رہے ہو؟ پاکستان نے انفرادی طور پر ان میں سے ایک ایک کی توجہ اس طرف منعطف کرائی اور اجتماعی طور پر خود اس ادارہ کے ایوان میں دہائی دی، لیکن کیا کسی نے اس کی طرف پلک اٹھا کر بھی دیکھا! حقیقت یہ ہے کہ اگر اس وقت چین ہماری حمایت کا اعلان نہ کرتا تو دنیا کی یہ بڑی بڑی طاقتیں بھارت کی سازش کو کامیاب بنانے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ چین کے ہم پہلے بھی زیر بار احسان تھے کہ اس نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارا حوصلہ بڑھایا۔ اور اب پھر اس نے ہم پر احسان کیا ہے۔ وہ یقیناً ہمیں احسان فراموش قوم نہیں پائے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ دین ہماری عملی زندگی میں بھی کارفرما نہیں، لیکن اس کے باوجود ہم ایسی روایات کے حامل ہیں جو غیر شعوری طور پر بھی ہمیں کمینگی کی سطح پر گرنے سے ہمیشہ باز رکھتی ہیں۔ انہی میں یہ روایت بھی شامل ہے کہ صدرِ اول کی مکی زندگی میں جب مسلمانوں کے ایک بے یار و مددگار قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی، تو وہاں کے حکمران نجاشی نے سردارانِ قریش کی اشد مخالفت کے علی الرغم انہیں پناہ دی اور سامانِ حفاظت بہم پہنچایا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں نجاشی پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا۔ مسلمان ہنوز اس قابل نہیں تھے کہ کسی دشمن کا مقابلہ کر سکتے۔ لیکن بایں ہمہ صحابہؓ نے (مکہ میں) فیصلہ کیا کہ ہمیں نجاشی کی مدد کو پہنچنا چاہیئے۔ اس کے لئے طے پایا کہ پہلے وہاں کے صحیح صحیح حالات معلوم کئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے حضرت زبیرؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا (حالانکہ وہ سب سے زیادہ کم سن تھے)۔ وہ مشک کے ذریعے دریائے نیل کو عبور کر کے رزمگاہ میں پہنچے اور چند ماہ بعد واپس آکر یہ مژدہ سنایا کہ نجاشی کو فتح حاصل ہو گئی ہے۔ ہم ان روایات کے حامل ہیں۔ اس لئے ہمیں چین کو یقین دلانا چاہیئے کہ اگرچہ نظریات میں ہمارا اس سے اختلاف ہے، بایں ہمہ وہ ہمیں احسان فراموش نہیں پائے گا۔ نجاشی سے بھی تو صحابہ کا نظریاتی اختلاف تھا۔

چین کے علاوہ قوم کو مسٹر بھٹو کا بھی شکر گزار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں ملک کی ایسی گراں بہا خدمت سرانجام دی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ زعمائے قوم کا اپنی قوم اور ملک کے لئے کوئی خدمت سرانجام دینا، کسی شکریہ یا صلہ کا متقاضی نہیں ہوتا کہ وہ ملک کے لئے اگر کچھ کرتے ہیں تو گویا خود اپنے لئے کرتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں جب ملت فروشی ایسی عام ہو رہی ہے، اگر کسی کی طرف سے بہی خواہی کی ذرا سی بھی نمود ہوتی ہے تو اس کے لئے بلا ساختہ لب پر شکریہ کے الفاظ آ جاتے ہیں۔

اب اگر بھارت کی طرف سے کوئی جارحانہ اقدام ہو، تو ہمیں چاہیئے کہ جنگ کو فیصلہ کن منزل تک پہنچا کر دم لیں۔ اس بیم و رجا کی اعصاب شکن کیفیت کو کب تک جاری رکھا جا سکتا ہے؟ اس سے قوم کے قوائے عملیہ مضمحل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایسے ہی ہیں وہ حالات جن کے لئے قرآن نے کہا ہے کہ دشمن کو ایسی شکست دو کہ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (۴۷/۴) کہ وہ تو ایک طرف، خود جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔ جب تک ہندو کو اس قسم کی شکست نہیں دی جائیگی، نہ وہ خود چین سے بیٹھے گا نہ دوسروں

کو امن چین سے بیٹھنے دیگا۔ اُدھوں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہوتا۔

(۰)

طلوعِ اسلام کنونشن

جس وقت یہ سطور سپردِ قلم کی جارہی ہیں' ارکانِ ادارہ طلوعِ اسلام کنونشن کے انعقاد کی تیاریوں میں مصروف ہیں' اور جس وقت یہ قارئین کی نگاہوں کے سامنے جائینگی' کنونشن کے اجلاس ختم ہو چکے ہونگے۔ ہمیں معلوم ہے کہ قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے احباب جو کنونشن میں شرکت نہیں کرسکتے' اس کی روئداد پڑھنے کے کس قدر مشتاق ہوتے ہیں۔ لیکن امسال چونکہ کنونشن مہینے کی آخری تاریخوں میں منعقد ہو رہی ہے' اس لئے دسمبر کی اشاعت میں اس کی روئداد نہیں دی جاسکتی۔ سردست ہم اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ کنونشن کا پروگرام درج ذیل کردیا جائے۔ اس سے کم از کم اس کا انگارہ سا تو سامنے آجائے گا۔ وھو ھذا۔

کنونشن کے کھلے اجلاس کا پروگرام

۱۔ پہلا اجلاس ——— بروز جمعرات۔ مورخہ ۲۵ نومبر۔ بوقت ۵½ بجے شام

استقبالیہ ——— مفکرِ قرآن جناب پرویز

عنوان ——— "تیری تقدیر میرے نالۂ بیباک میں ہے"

۲۔ دوسرا اجلاس ——— بروز جمعہ۔ مورخہ ۲۶ نومبر۔ بوقت ۲ بجے دوپہر

بصدارت ——— محترم ڈاکٹر محمد اجمل صاحب۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج، لاہور

موضوع ——— "دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا"

وہ تعلیم و تربیت جس سے طلبا میں پاکیزگیٔ سیرت اور بلندیٔ کردار کے جوہر نمودار ہوں۔

وقت کا نہایت اہم سوال جس سے قوم کا مستقبل وابستہ ہے۔

۳۔ تیسرا اجلاس ——— بروز جمعہ، مورخہ ۲۶ نومبر۔ بوقت ۵½ بجے شام

پرویز صاحب کا خطاب جس کا موضوع ہے

پاکستان کے متعلق خدائی فیصلہ

بہی خواہانِ پاکستان کے لئے لمحۂ فکریہ

۴۔ چوتھا اجلاس ——— بروز ہفتہ، مورخہ ۲۷ نومبر۔ بوقت ۲ بجے دوپہر

بزیرِ صدارت ——— محترمہ ڈاکٹر مس کنیز فاطمہ یوسف۔ پرنسپل لاہور کالج فار ویمن

بزمِ مذاکرہ جس کا موضوع ہے

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

کنونیشن کا یہ مذاکرہ بڑا دلچسپ، بصیرت افروز اور حقیقت کشا ہوتا ہے جس میں قوم کا نوجوان طبقہ، بالخصوص اساتذہ، طلباء اور طالبات حصہ لیتے ہیں۔ اور آداب خود آگاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

۵۔ پانچواں اجلاس ——— بروز ہفتہ، مورخہ ۲۷ نومبر۔ بوقت ۹ بجے شب

——— مجلسِ استفسارات ———

اپنے انداز کی منفرد نشست جس میں پرویز صاحب زندگی کے اہم عملی مسائل سے متعلق آپ کے ارسال کردہ سوالات کا جواب، قرآن مجید کی روشنی میں دیں گے۔ اس ایک نشست میں زندگی کے سینکڑوں عنوانات نکھر اور سنور کر سامنے آ جاتے ہیں اور ذہنوں کو شکوک و شبہات سے پاک کر دیتے ہیں۔

۶۔ چھٹا اجلاس ——— بروز اتوار، مورخہ ۲۸ نومبر۔ بوقت ۱۰ بجے صبح

پرویز صاحب کے خطاب کا عنوان ہے

اسلامی سوشلزم

موجودہ وقت کا تڑپتا ہوا موضوع جو ہر محفل میں زیر بحث رہتا ہے۔ سنیے کہ پرویز صاحب اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اشاعت حاضرہ میں پرویز صاحب کا وہ استقبالیہ بھی شائع کیا جا رہا ہے جس سے وہ کنونیشن کے مندوبین سے خطاب کر رہے ہیں۔ ان کے دیگر خطابات، اور دوسرے احباب کے مقالات، نیز شرکائے مذاکرہ کے خیالات، طلوعِ اسلام کی آئندہ اشاعتوں میں باری باری سامنے آتے جائیں گے۔ اس دفعہ کنونیشن کا مرکزی موضوع طلوعِ اسلام کالج کی تعمیر ہے۔ اس کے لئے کنونیشن میں ایک خاص نشست مختص کی گئی ہے۔ تفصیل آئندہ اشاعت میں دی جائے گی۔

طلوعِ اسلام کا اگلا شمارہ

طلوعِ اسلام کی کاپیاں ہر ماہ کی بیس تاریخ تک پریس میں بھیج دی جاتی ہیں اور اس طرح یہ پرچہ پہلی تاریخ تک چھپ کر تیار ہو جاتا ہے۔ صدر مملکت کے اعلان کے مطابق، دستور پاکستان کا مسودہ ۲۰ دسمبر کو شائع کیا جائے گا۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ اس مسودہ پر طلوعِ اسلام کا تبصرہ دیکھنے کے لئے قارئین کو بیتابی سے انتظار ہوگا۔ اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ وہ تبصرہ جنوری کے پرچہ میں سامنے آ جائے۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ اس پرچہ کی اشاعت میں کچھ تاخیر ہو جائے۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔

۲۔ جنوری کا پرچہ "کنونیشن نمبر" ہوگا، جس میں کنونیشن کی روئداد کے علاوہ، اہم خطابات کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔

اطلاعاً تحریر ہے۔

"شاہد عادل"

مودودی صاحب کی کتاب

"مسئلہ ملکیت زمین" پر ایک نظر

"تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لے لیتا ہے۔ مگر سودی کاروبار میں وہ شخص اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت اور صرف کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے۔ اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ تناسب نفع اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعویدار ہوتا ہے۔"

بیع اور سود کے درمیان فرق اور پھر سود کی حرمت کے بارے میں واضح الفاظ میں یہ اعلان جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہے جو ان کی کتاب سود حصہ اول طبع سوم کے صفحہ ۲ سے نقل کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے سربراہ ہیں۔ اور اس جماعت کے اخبار و رسائل میں آپ کا تعارف مفکرِ اسلام کے نام سے کرایا جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک سب سے بڑی برائی یعنی سود کے بارے میں ان کا یہ دو ٹوک فیصلہ قابلِ تعریف ہے۔ لیکن جیسا کہ ایک مشہور کہاوت ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے دوسرے، تو مودودی صاحب بھی سود کی حرمت کے بارے میں کچھ اسی قسم کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سود کی حرمت قرضے یا بنک کے سود تک محدود ہے۔ لیکن اگر کوئی سرمایہ دار اسی رقم کو بنک میں رکھنے کی بجائے اس سے زرعی اراضی خرید کر دوسروں کو بٹائی پر دے دے اور اس طرح بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جائے تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسکے سرمایہ سے حاصل ہونے والی یہ آمدنی خالص حلال ہوگی چاہے وہ بنک کے سود سے کئی گنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ مودودی صاحب اسے عین اسلام ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے جواز کے لئے ایک مکمل کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" تصنیف کر ڈالی جس کا ابھی حال ہی میں اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور کی جانب سے تیسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ چونکہ مصنف اس کتاب میں سود کی سب سے گھناؤنی صورت کو قرآن اور سنت رسولؐ کا واسطہ دے کر جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں۔

کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں جو ۲۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، زمین کی بے حد و حساب ملکیت کا جواز نکالنے کی کوشش کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں جو تقریباً اتنے ہی صفحات پر مشتمل ہے، ایسی نا بد زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز ڈھونڈا گیا ہے۔

مصنف نے اس نئے ایڈیشن میں بیسیوں جگہ کتاب میں اہم رد و بدل کیا ہے۔ لیکن دیباچہ میں ان اہم تبدیلیوں کا ذکر تو کجا، سرے سے اس ایڈیشن کے لئے دیباچہ ہی نہیں لکھا۔ ان میں سے بعض اہم تبدیلیوں کا ذکر ہم مناسب مقامات پر کرینگے۔

مسئلہ ملکیت زمین کی تحقیق

زمین کی لامحدود ملکیت کے جواز کے بارے میں فاضل مصنف لمبی چوڑی بحث اور تحقیق کے بعد اپنا جو شرعی فیصلہ سناتے ہیں وہ پہلے انہی کے الفاظ میں سن لیجئے۔

"اسلام اس تخیل سے قطعی ناآشنا ہے کہ زرعی جائیداد کی ملکیت دوسری قسم کی املاک اور جائیدادوں سے کوئی الگ نوعیت رکھتی ہے جس کی بنا پر ان سب کے برعکس اس کی جائز ملکیت کے لئے رقبے کے لحاظ سے کوئی حد مقرر کر دی جائے یا یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ہر شخص اور خاندان کے قبضے میں صرف اتنی ہی زمین رہنی چاہیئے جس میں وہ خود کاشت کر سکے یا خود کاشتی سے زاید ملکیت کا حق دینے کے بعد دوسری ایسی پابندیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے یہ حق بے معنی ہو کر رہ جائے۔ ایسی حد بندیوں کے لئے فی الحقیقت کتاب و سنت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے۔" (صفحہ ۹۰)

اپنے اس شرعی فیصلے کی تائید میں انہوں نے قرآن، حدیث اور آثار صحابہؓ و تابعین سے جس طرح استدلال فرمایا، اسکی تفصیلات سامنے لائی جاتی ہیں۔

قرآن اور ملکیتِ زمین

ہمارے فقہا کے درمیان زمین کی مختلف اقسام کے تعین میں کچھ اختلاف ضرور رہا ہے جن کی تفصیلات آئندہ صفحات میں پیش کی جائینگی۔ لیکن جہاں تک ہمارے ناقص مطالعہ کا تعلق ہے، ان میں سے کسی نے قرآن مجید سے زمین کی شخصی ملکیت ثابت کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ یہ فخر مودودی صاحب حاصل کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا .... فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ۔ (سورت النور ۲۷-۲۸)

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک پوچھ نہ لو۔ اور جب داخل ہو تو اس گھر والوں کو سلام کرو اور اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ تاوقتیکہ تم کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔

"اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سکونت کے لئے بھی زمین کے شخصی قبضہ و ملکیت کی توثیق کرتا ہے اور ایک مالک مکان کے اس حق کا استقرار کرتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اسکی اجازت کے بغیر اس کے حدود میں قدم نہ رکھے۔" (صفحہ ۲۵)

دیکھئے، زمین کی شخصی ملکیت کے لئے قرآن مجید سے کتنا اچھوتا استدلال ہے! اور اگر اسے مان لیا جائے کہ یہ قرآنی حکم ذاتی ملکیت کے مکانوں کے لئے ہے تو پھر کرایہ کے مکانات یا جن لوگوں کو مختلف صورتوں میں مفت مکان مہیا کئے جاتے ہیں میں ہر شخص کو بغیر اجازت گھسنے کی اجازت ہو گی۔

یہ تو تھا قرآنی تحقیقات کا شاہکار۔ اب احادیث اور آثارِ صحابہؓ کیطرف آئیے۔ کتاب زیر تبصرہ کو ہاتھ لگاتے ہی جو خیال فوری طور پر ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں پاکستانی اراضی کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہوگی۔ ہم نے اس مقصد کے لئے کتاب کے صفحات بار بار الٹے لیکن ہمیں سخت مایوس ہونا پڑا کہ اس بارے میں ایک لفظ لکھنا تو کجا، معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا، حالانکہ اس بارے میں ایسے واضح شرعی احکام ملتے ہیں کہ ان کے نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف کو پورے تریپن صفحات سیاہ نہ کرنے پڑتے

انہوں نے غلط بحث کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر اراضی عرب سے ہے۔ جن پر بحث ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ ایک علمی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ عملی کیونکہ اراضی پاکستان کی شرعی حیثیت اراضی عرب سے بالکل مختلف ہے۔ اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے مختصر الفاظ میں اس فرق کو واضح کر دیا جائے۔

اراضی پاکستان کی شرعی حیثیت

اراضی پاکستان برصغیر ہندو پاکستان کا ایک حصہ ہیں اور ان کا تعلق ان ممالک سے ہے جو عراق کے بعد فتح ہوئے۔ ایسی تمام اراضی کو بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا گیا تھا۔ اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم یہاں صرف حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہؒ کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں جس میں اس سلسلے کی تقریباً تمام جزئیات مختصراً آجاتی ہیں فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس سرہ نے ایک رسالہ اراضی ہند کے احکام کے بارے میں لکھا۔ اور اس رسالے میں انہوں نے اس مذہب کو کہ ہندوستان کی زمین زمینداروں کی ملکیت ہے۔ بہت سے دلائل و شواہد سے باطل قرار دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کی اراضی آج بھی بدستور سابق عراق کی اراضی کی طرح عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہے۔ یعنی بیت المال کی ملکیت ہیں کسی شخص و فرد کی ملکیت نہیں اور نہ ہی زمینداروں کی ملکیت اور نہ زمینداروں کو چوہدری اور نگران ہونے سے زیادہ کوئی دخل ہے اور قاضی محمود علی تھانوی نے بھی اس بارے میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور انہوں نے اس میں شیخ جلال ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ شاید اس مسلک کی بنیاد پر کہ حضرت جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ نے اپنے رسالے میں اختیار فرمایا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ابتداً فتح میں عراق کی طرح جو کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا۔ بیت المال کی ملکیت پر ہی قائم ہے اور زمینداروں کو اس کے سوا کہ وہ متولی اور داروغہ ہیں اور کاشتکاروں کو تلاش کر کے زمین دینے اور زراعت میں مدد بہم پہنچانے اور اس ذمہ داری کے غور و فکر میں رہنے کے علاوہ اور کوئی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ان کی ملکیت کا کوئی دخل ہے" (فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد ۱ صفحہ ۔۔۔)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ یا دوسرے علمائے ہند نے یہ فتویٰ کوئی اپنے اجتہاد سے نہیں دیا تھا بلکہ اس کی بنیاد حضرت عمرؓ کے اس مشہور فیصلے پر ہے جس میں انہوں نے اراضی عراق کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا تھا اور جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے اجماع فرمایا تھا عراق اور اس کے بعد فتح ہونے والے ممالک کی اراضی کی واحد مالک اسلامی ریاست قرار پائی اور کسی کو ایک انچ زمین کی خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی اور اگر کسی نے لاعلمی میں ایسا کر لیا تو وہ خرید و فروخت منسوخ سمجھی جاتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں ایک صحابی عتبہؓ بن فرقدؓ نے لاعلمی میں ایسی کچھ اراضی خرید لی تو حضرت عمرؓ نے اسے فوراً منسوخ قرار دے دیا۔ اور ایسا کرتے وقت جو کچھ آپ نے فرمایا وہ ایسے واضح الفاظ ہیں کہ جن سے مفتوحہ ممالک بشمول برصغیر ہند و پاک میں زمین کی شخصی ملکیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"قال لعتبۃ بن فرقد حین اشتریٰ ارضاً علی شاطی الفرات، ممن اشتریتہا؟ قال من اھلھا۔ قال ھؤلاء اھلھا و اشار الی المھاجرین والانصار"

ترجمہ: حضرت عتبہ بن فرقد نے جب فرات کے کنارے زمین کا ٹکڑا خریدا تو حضرت عمرؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ کس سے خریدا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کے مالکوں سے۔ آپ نے مہاجرین اور انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے مالک تو یہاں بیٹھے ہیں" (کتاب الاموال۔ لابی عبید مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۳)

امام ابو عبید نے ایسے ہی حضرت علیؓ کے دو فیصلے اپنی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۸۰ پر نقل کئے ہیں۔ ان تمام فیصلوں کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ عراق سمیت تمام مفتوحہ ممالک کی زمین بیت المال یعنی اسلامی ریاست کی ملکیت ہے اور کسی سرمایہ دار کو اس کی خرید و فروخت کا حق نہیں۔ تاریخ اسلامی کا یہ ایک اتنا مشہور اور متفقہ فیصلہ ہے کہ اس پر نہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے بلکہ بعد کے ادوار میں بھی کسی عالم دین نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ مغربی ممالک کی اسلامی دنیا پر یلغار سے پہلے تمام اسلامی ممالک میں اس پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔ مودودی صاحب بھی اس اجماع امت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ایک مقام پر اسے نقل بھی کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ گویا اراضی پاکستان سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ فرماتے ہیں :-

"تیسرا وہ طرز عمل جو حضرت عمرؓ نے ابتداءً شام اور عراق میں اختیار فرمایا۔ اور بعد میں تمام **مفتوح ممالک** کا بندوبست اسی کے مطابق ہوا۔ وہ یہ تھا کہ آپ نے مفتوح علاقے کو فاتح فوج میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کو تمام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا" (صفحہ ۳۳)

برصغیر ہند و پاک بھی انہی مفتوح ممالک میں سے ایک ہے۔ لیکن مودودی صاحب یہاں ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے مطلقاً اس کا ذکر نہیں کرتے کہ یہاں کی زمینیں اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں۔ بلکہ عشری اراضی کی بحث چھیڑ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاید یہاں کی زمین بھی اراضی عرب کی طرح عشری ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں یہاں تک۔ فرما جاتے ہیں کہ اگر عشر کی تحصیل و تقسیم کا انتظام شریعت کے احکام کے مطابق ہو جائے تو پھر زمینداری کی اصلاح ہو جائے گی (صفحہ ۱۱۱) سبحان اللہ! کس طرح بحث کو الجھا کر بٹائی کے سودی معاملے کو جائز قرار دینے کے لئے بنیاد اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ جب یہاں کی اراضی سرے سے اسلامی ریاست کی ملکیت ہی ہیں تو ان کے عشر وغیرہ کا تو سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

عشری اور خراجی

طلوع اسلام بابت اپریل ۱۹۷۱ء میں ہم دکھا چکے ہیں کہ عشری اور خراجی زمین میں اصطلاح کا فرق ہے۔ اسلامی ریاست میں دونوں قسم کی اراضی بیچنے کی اجازت نہ تھی۔ یہاں ان تمام تفصیلات کو دوبارہ نقل کرنا تو باعث طوالت ہوگا لیکن موضوع کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ہم حضور صلعم کا وہ مشہور فیصلہ نقل کرتے ہیں جو معمولی سے لفظی اختلاف کے ساتھ درجنوں احادیث میں بیان ہوا ہے۔ معاملہ یوں ہوا کہ جب حضور صلعم نے زمین کی بٹائی کو سود قرار دے دیا اور یہاں تک تہدید فرمائی کہ جو شخص اسے چھوڑنے پر تیار نہیں اسے اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (یہ ارشادات نبویؐ آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے) تو بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس اپنی کاشت سے زیادہ زمین تھی۔ چنانچہ وہ بار بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت فرماتے کہ شاید انہیں اس زائد زمین کی فروخت کی اجازت مل جائے لیکن حضور صلعم ہر بار جو جواب مرحمت فرماتے محدثین نے اسے کم و بیش ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

کان لرجال من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضول ارضین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ۔ رواہ البخاری۔

(بحوالہ نیل الاوطار۔ از علامہ شوکانی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۹۵)

(ترجمہ) بعض اصحاب رسولؐ کے پاس فاضل زمین تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جن کے پاس زمین ہو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بخش دے اور اگر ایسا کرنے سے انکار کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رکھے۔"

یعنی آپؐ نے کسی صورت میں بھی بیچنے کی اجازت نہیں دی۔

اس حدیث شریف کے آخری الفاظ جنہیں ہم نے واوین میں دیا ہے خاص طور پر ملاحظہ ہوں۔ ان سے اول تو حضور صلعم

کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اسلامی قانون کی رُو سے اگر کوئی زمین تین سال تک بیکار پڑی رہے تو دوسرا آباد کرنیوالا اس کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے اس مشہور فیصلے کو خود مصنف نے بھی صفحہ ۷۸ پر نقل کیا ہے کہ :

من کانت لہٗ ارض ثم ترکھا ثلٰث سنین فلم یعمرھا فعمرھا قوم اٰخرون فھم احق بھا۔

(ترجمہ) جس کے پاس کوئی قطعہ زمین ہو اور وہ اسے تین سال تک بیکار ڈال رکھے اور آباد نہ کرے پھر کچھ دوسرے لوگ آکر اسے آباد کرلیں تو وہی اس زمین کے حقدار ہیں۔

یعنی حضور صلعم کے اس ارشاد سے چاہے ناراضگی کا اظہار مراد لیا جائے یا اُسے قانونی حیثیت میں لیا جائے آپ نے عشری زمینوں کی تروخت کی بھی اجازت نہیں دی اور خراجی زمین کی خرید و فروخت کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو ہیں ہی ریاست کی ملکیت۔ تو پھر سرمایہ داری کے زور پر لامحدود زمین خرید کر زمینداریاں قائم کرنے کا جواز کہاں سے آئے گا؟ لیکن مفکر اسلام ان واضح احکامات پر پردہ ڈالتے ہوئے اور اراضی عرب کے احکامات سے غلط استدلال کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ زمینداری کے شرعی جواز کا اعلان ان لفظوں میں کرتے ہیں :-

"اسلام جس چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ مال آئے جائز راستے سے آئے، جائز طریقے پر استعمال ہو، جائز راستوں میں جائے اور خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عاید کئے گئے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ، اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار، اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں فلاں چیز رکھ سکتے ہو۔ اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو" (صفحہ ۱۰۹)

مودودی صاحب جو یہ اپنی خواہشات اسلام سے منسوب کر رہے ہیں ان کی قلعی تو آئندہ سطور میں کھولی جائیگی۔ لیکن پہلے یہ دیکھئے کہ اگر کوئی ان کی خواہشات کے خلاف ان کے سامنے وہ دلائل پیش کرے جن کی بنیاد پر اراضی پاکستان اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پاتی ہیں تو وہ اسے کس طرح ڈانٹ پلاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے :-

"اگر ہم ایک طرف یہ بات مان لیں کہ قرآن کا اصل منشا زمین کو شخصی ملکیتوں سے نکال کر اجتماعی ملکیت بنا دینا تھا، اور دوسری طرف اس امر واقعہ کو دیکھیں کہ یہ کام نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حکومت میں کیا نہ خلفائے راشدین نے اپنے دور میں کیا، نہ صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور پچھلے تیرہ سو برس کے فقہائے امت میں سے کسی نے اس کا خیال تک ظاہر کیا تو لامحالہ پھر ہمیں دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑیگی۔ یا تو یہ کہ قرآن کو اس کے لانے والے پیغمبرؐ سے لیکر پوری امت مسلمہ کے علماء و فقہا اور ائمہ تک کسی نے نہ سمجھا۔ اور اس کی فہم کی سعادت نصیب ہوئی تو مارکس، اینجلز، لینن اور سٹالن کو ہوئی۔ یا پھر قرآن کے منشا کو سمجھ تو گئے تھے رسولؐ اور صحابہؓ بھی مگر عمل کی توفیق انکے بجائے روس کے اشتراکی مریدوں کو نصیب ہوئی۔" (صفحہ ۱۰۹)

قرآن مجید سے شخصی ملکیت کے بارے میں جو اچھوتا استدلال مودودی صاحب نے فرمایا تھا وہ بھی قارئین کی نظر سے گزر چکا ہے اور یہ بھی کہ تمام مفتوحہ ممالک بشمول پاکستان کی اراضی کی اس شرعی حیثیت پر کہ وہ بیت المال یعنی اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔ مودودی صاحب کی یہ ڈانٹ سننے کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا ان کے دعویٰ کے مطابق واقعی اسلام نے روپیہ پیسہ یا مکانات وغیرہ پر کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اگر ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھا جائے تو ان کے مطابق لاتعداد مکانوں کی اجازت تو کجا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے اپنا مکان ممتاز کرنے تک کی اجازت

تھیں۔ اس بارے میں اسلام سخت مساوات کا علمبردار ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی سختی سے عمل کیا جیسا کہ آپ کے مندرجہ ذیل ارشاد سے واضح ہوتا ہے:۔

انّ رسول اللہ خرج فرأیٰ قبۃً مشرفۃً فقال ما ھذہ؟ قال لہٗ اصحابہٗ ھذہ لفلان رجل من الانصار قال فسکت وحملھا فی نفسہٖ حتی اذا جاء صاحبھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم علیہ فی الناس اعرض عنہٗ صنع ذالک مرارًا حتی عرف الرجل الغضب فیہ والاعراض عنہ فشکا ذالک الی اصحابہ فقال واللہ انی لانکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا خرج فرأیٰ قبتک ۔ قال فرجع الرجل الی قبتہٖ فھدمھا حتی سواھا بالارض ۔ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلم یرھا قال ما فعلت القبۃ؟ قالوا شکا الینا صاحبھا اعراضک عنہٗ فاخبرناہ فھدمھا ۔ فقال اما انّ کلّ بناءٍ وبالٌ علی صاحبہٖ الا ما لا الا ما لا یعنی ما لا بدّ منہ۔

(سنن۔ ابوداؤد۔ مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۴۸۷)

(ترجمہ) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو آپ نے ایک بلند گنبد نما مکان دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا فلاں انصاری کا مکان ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے اور یہ بات اپنے دل میں رکھی تا آنکہ وہ آدمی آپ کے پاس آیا اور بھری مجلس میں آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ آپ نے کئی دفعہ ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ شخص بھانپ گیا کہ آپ اس سے سخت ناراض ہیں اور یہ کہ قصداً اعراض فرما رہے ہیں۔ اس نے صحابہ کرامؓ سے شکوہ کیا اور کہا، خدا کی قسم مجھے حضور صلعم خفا نظر آتے ہیں۔ صحابہؓ نے بتایا کہ آپ باہر تشریف لے گئے تھے تو آپ نے تیرا قبہ نما (گنبد نما مکان) دیکھا تھا۔ یہ سنکر وہ آدمی لوٹا اور آکر اپنے گنبد نما مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلعم باہر تشریف لے گئے تو اسے نہ دیکھا۔ دریافت فرمایا تو لوگوں نے اس کے مالک کی کیفیت بیان کی۔ اس پر حضور صلعم نے فرمایا کہ آگاہ رہو، ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ثابت ہوگی بجز اس کے جو ناگزیر ہو۔

مودودی صاحب تو ایسی باتیں کہنے والوں کو جھٹ سے مارکس اور لینن کے طعنے دینے لگتے ہیں اور راقم کا یہ دعویٰ ہے کہ مکانات کے بارے میں مساوات قائم رکھنے میں جس طرح حضور صلعم نے سختی سے عمل کیا، اتنا عمل تو کجا کسی نے شاید یہ نظریہ بھی پیش نہ کیا ہو۔ مودودی صاحب اگر اسلام میں لامحدود مکانات کی اجازت کا دعویٰ کرنے سے پہلے اس ارشادِ رسولؐ پر نظر ڈال لیتے تو وہ خواہ مخواہ اپنی سرمایہ دارانہ خواہشات کو اسلام کے نام پر منسوب نہ کرتے۔ اس موقع پر مجھے علماء کے ہر طبقے کی وہ مخالفت یاد آگئی جب انہوں نے ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں مودودی صاحب کی تحریروں پر شرعی اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور جسے مودودی صاحب نے شیطان کی فصل قرار دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن۔ بابت مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۰، ۲۱) ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ مودودی صاحب چونکہ کسی دینی مدرسے کے فارغ التحصیل نہیں اسلئے انہوں نے دینی کتابوں کو نہ تو درساً درساً پڑھا ہے اور نہ ہی بالاستیعاب۔ بس ان سے اپنے مطلب کے حوالے لے لیتے ہیں۔ راقم کو آج اس اعتراض کی اہمیت کا احساس ہوا کہ اگر مودودی صاحب نے کم از کم سنن ابوداؤد ہی پوری کی پوری پڑھی ہوتی تو مکانات میں سختی سے مساوات قائم کرنے والا یہ ارشادِ رسولؐ بھی آپ کی نظر سے ضرور گزرتا اور وہ خواہ مخواہ اسلام کو سرمایہ داری کا علمبردار ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ مکانات کے بارے

میں ایسے اور بھی ارشاداتِ رسولؐ ہیں جنہیں ہم طلوعِ اسلام کی اگست ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں پیش کر چکے ہیں اور یہاں دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

دولت کی حد

یہ تو تھی ان کے لامحدود مکانات کے جواز کی حقیقت۔ یہی حال انکے تمام دوسرے دعووں کا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر ہم ان میں سے اہم ترین دعوے یعنی لامحدود دولت کے شرعی جواز کو لیتے ہیں۔ کہ دوسرے تمام دعوے اس کے تابع ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک عشرۃ الاف درھم جعلت صفائح یعذب بھا یوم القیامۃ - (احکام القرآن - از ابوبکر جصاص۔ مطبوعہ مصر جلد ۳ - صفحہ ۱۲۲)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ جس نے اپنی موت کے وقت دس ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تو وہ چوڑے پتھر بنا دیئے جائیں گے جن سے قیامت کے دن اسے عذاب دیا جائے گا۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج بھی ایک اسلامی ملک میں اس ارشادِ نبویؐ پر قانوناً عمل کیا جا رہا ہے۔ لیکن معلوم نہیں ان ارشاداتِ رسولؐ پر مودودی صاحب کی نظر کیوں نہیں پڑتی!

بٹائی کا مسئلہ

اب ہم کتاب کے دوسرے حصے کو لیتے ہیں جس میں پہلے حصہ کی لامحدود جائز کردہ اراضی کو بٹائی پر دینے کا جواز نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اراضی پاکستان کی اس شرعی حیثیت کے بعد کہ وہ اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں یہاں اور اس طرح کے دوسرے مفتوحہ ممالک میں جو حضرت عمرؓ کے مشہور فیصلہ عراق کے بعد فتح ہوئے بٹائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس معاملے کے جواز یا عدم جواز کی بحث کا تعلق زیادہ تر اراضی عرب سے ہے۔ اسلئے ہمارے لئے اسکی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک علمی بحث کی ہے۔ تمام مفتوحہ ممالک بشمول برصغیر ہند و پاک میں زمین کاشتکاروں کے پاس رہی۔ ان اراضی کو اراضی حوز یا اراضی مملکت کہا جاتا تھا اور تمام اسلامی ادوار میں عثمانی سلطنت کے خاتمہ تک ان پر یہاں عمل ہوتا رہا۔ فقہا اس معاملے کو ان قانونی الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

قال فی ردّ المختار انّ اراضی بیت المال المسماۃ باراضی المملکۃ واراضی الحوز اذا کانت فی ایدی زراعھا لا تنزع من ایدیھم ماداموا یؤدّون ما علیھا ولا تورث عنھم اذا ماتوا ولا یصح بیعھم لھا ولکن جری الرسم فی الدولۃ العثمانیۃ انّ من مات عن ابن انتقلت لابنہ مجاناً والّا فلبیت المال ولو لہ بنت۔ - (شامی لابن عابدین۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۵۲)

(ترجمہ) ردالمختار میں ہے کہ بیت المال کی اراضی جنہیں سرکاری اراضی یا اراضی حوز کہا جاتا جب وہ کاشتکاروں کے قبضہ میں ہوتیں اور وہ اس کا خراج ادا کرتے رہتے تو ان سے نہ چھینی جا سکتیں اور نہ ہی ان کی موت پر وراثت میں تقسیم ہوتیں اور نہ ہی ان کی خرید و فروخت جائز ہے اور عثمانی سلطنت میں اس پر عمل تھا کہ جو کاشتکار اپنی وفات پر نرینہ اولاد چھوڑ جاتا تو وہ زمین اس کے لڑکے کو منتقل ہو جاتی تھی اور اگر اس کی اولاد نرینہ نہ ہوتی تو وہ زمین خود بخود بیت المال کو واپس ہو جاتی"۔

بٹائی سود ہے

اس کے باوجود چونکہ مصنف نے بٹائی کی بحث چھیڑ کر مروجہ بٹائی کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے ہم مجبوراً ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ہمارے ملک میں تو بٹائی

کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ شرعی اصولوں کی بنا پر یہ حکومت کی ملکیت ہیں۔ ہاں اراضی عرب کے سلسلے میں اس کے عدم جواز یا جواز کی بحث کی جاتی ہے۔ اور اگر اس کے بارے میں بھی ارشاداتِ رسول کا دیانتداری سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام میں کسی قسم کی اراضی کو بھی بٹائی پر دینا جائز نہیں۔ اہلِ مدینہ زراعت پیشہ لوگ تھے۔ ہجرت کے بعد جب حضور صلعم وہاں تشریف لے گئے تو وہاں آپ کے علم میں زمین کی بٹائی کا معاملہ آیا تو آپ نے اس معاملے کی پوری تفصیلات دیکھ لینے کے بعد اسے سودی معاملہ قرار دیکر اس سے منع فرما دیا۔ ابن ابی نعیم کی روایت ہے۔

حدثنی رافع بن خدیج انہ زرع ارضاً فمرّ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یسقیھا فسالہ لمن الزرع ولمن الارض۔ فقال زرعی ببذری وعملی۔ لی الشطر ولبنی فلان الشطر فقال اربیتما۔ فرد الارض علی اھلھا وخذ نفقتک۔　　(سنن ابوداؤد۔ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۵۵)

(ترجمہ)۔ رافع بن خدیج نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے ایک زمین کاشت کی پس حضور صلعم وہاں سے گزرے اور وہ کھیتی کو پانی دے رہا تھا تو آپ نے پوچھا کہ یہ زمین اور کھیتی کس کی ہے میں نے جواب دیا کہ بیج اور کام کی شرط پر یہ کھیتی میری ہے۔ اس میں ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک بنی فلاں کا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ دونوں نے سود کا معاملہ کیا۔ زمین مالکوں کو واپس کر دو اور ان سے اپنے اخراجات لے لو۔

یہی نہیں بلکہ آپ نے دوسرے موقع پر اس سے بھی زیادہ سختی سے فرمایا کہ جو شخص بٹائی چھوڑنے پر تیار نہیں اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لم یذر المخابرۃ فلیاذن بحرب من اللہ ورسولہ۔ (ایضاً)

بٹائی کو سود قرار دینے والی یہ دونوں احادیث سنن ابوداؤد سے لی گئی ہیں جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مجموعے کے جامع نے ہر حدیث کے ضعیف یا صحیح ہونے کی تصریح بھی ساتھ ہی ساتھ کر دی ہے جس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں اس پر سکوت اختیار کر لیتے ہیں اور ضعیف حدیث کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ تمام محدثین نے نہ صرف یہ کہ آپ کے اس اصول کو تسلیم کیا ہے بلکہ وہ اسی کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ جس نسخے کا ہم حوالہ دے رہے ہیں اسکے مقدمے میں صفحات پر یہ اصول یوں درج ہے۔ "محدث ابن صلاح امام نووی اور دوسرے کئی حفاظِ حدیث نے ان تمام احادیث پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا تھا جس پر ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا" اور خوش قسمتی سے یہ دونوں احادیث اسی ذیل میں آتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مودودی صاحب ان ارشاداتِ رسولؐ کو اگر اپنی عقل کے ترازو پر تولتے تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی کہ بٹائی کا معاملہ بھی ان کی سود کی تعریف کے عین مطابق ہے جس سے ہم نے اس مضمون کی ابتدا کی ہے۔ یعنی اگر کوئی سرمایہ دار دس ہزار روپیہ بنک میں یا کسی کو قرض دے کر سال بعد ڈھائی صد روپیہ زائد لے تو وہ سود ہے لیکن اگر وہی سرمایہ دار اسی رقم کی اراضی خرید کر کسی دوسرے شخص کو کاشت کے لئے دے اور خود گھر بیٹھے کسی محنت و مشقت کے بغیر بنک کے سود سے کئی گنا زیادہ منافع فصل کی بٹائی کی صورت میں لے لے، جیسا کہ ہمارے ہاں عام رواج ہے تو پھر یہ سود مودودی صاحب کے نزدیک کیسے جائز ہو جاتا ہے؟ ان ارشاداتِ رسولؐ سے چونکہ سرمایہ داری کی جڑ کٹتی ہے اس لئے نہ تو مودودی صاحب انہیں تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنے عقل کی ترازو میں تولتے ہیں۔ بلکہ ان دو احادیث میں سے ایک حدیث کے ایک راوی پر ایک سنا سنایا اعتراض دہرا کر سنتِ رسولؐ کے یہ "عاشق" ان دونوں ارشاداتِ رسولؐ کو یوں گول کر جاتے ہیں جیسے ان کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں۔ چنانچہ ہم اس سنے سنائے اعتراض کی حقیقت بیان

کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ سنتِ رسول کے "پرشیدائی" اپنے مطلب کے خلاف جانے والے ارشاداتِ رسولؐ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر فرماتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی رافع بن خدیج والی حدیث) کے سلسلہ سند میں ایک راوی بکر بن عامر البجلی ہے جس کے معتبر ہونے میں کلام کیا گیا ہے۔ بحوالہ نیل الاوطار۔ جلد ۵ صفحہ ۲۷۳)۔ اگر مودودی صاحب متعلقہ حدیث کو اصل کتاب یعنی سنن ابوداؤد میں دیکھنے کی زحمت گوارا کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ محدثین کے اصول کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ نیل الاوطار میں غلطی سے راوی کا نام "بکیر" کی بجائے "بکر" چھپ گیا تو مودودی صاحب اسی غلط نام کو لے اڑے۔ علامہ شوکانی نے ضرور ان کے متعلق لکھا ہے کہ ھو متکلم فیہ لیکن کوئی سند بیان نہیں کی۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کے حالات تلاش کئے گئے تو وہ انہیں معتبر اور سچا قرار دیتی ہیں۔ امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر مطبوعہ حیدرآباد کی جلد اول کے صفحہ ۱۱۵ پر ہمیں اس راوی کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں۔ بکیر بن عامر البجلی الکوفی سمع ابا زرعۃ والشعبی سمع منہ وکیعؒ وابونعیم۔ (بکیر بن عامر البجلی کوفی جنہوں نے ابوزرعہ اور امام الشعبی سے سنا اور وکیع اور ابونعیم نے ان سے سنا) یعنی اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کے غیر معتبر ہونے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔ بلکہ جناب بکیر بن عامر البجلی کے مرتبے کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ حنفی فقہ کے مشہور امام محمد کے شیخ ہیں اور وہ ان سے جامع صغیر میں احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہی نیل الاوطار کے مصنف جب مودودی صاحب کے مسلک کے خلاف کوئی بات نقل کرتے ہیں تو انہیں "غیر محتاط" قرار دے کر ان کا وہ قول قبول نہیں کرتے۔ (صفحہ ۹۵) لیکن جہاں ارشاداتِ رسولؐ کا معاملہ آیا تو پھر انہی "غیر محتاط مصنف" کے بے سند قول کا سہارا لے کر انہیں رد کر دیا۔

حرمتِ بٹائی کی تمام احادیث

بٹائی کی حرمت کی بحث کو الجھانے اور بحث کو طول دینے کے لئے وہ اس موضوع کی تمام احادیث کو جمع کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں (صفحہ ۹۳) لیکن جب ہم نے ان احادیث پر نظر ڈالی تو یہ تکلیف دہ حقیقت سامنے آئی کہ جس طرح انہوں نے بٹائی کو سود قرار دینے والی احادیث کو گول کیا ہے یہاں بھی ان احادیث پر بالکل پردہ ڈال دیا ہے جو حضور صلعم کے عملی فیصلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حالانکہ امام ابویوسف کے فتویٰ کے باوجود اکثر حنفی فقہا نے صرف انہی احادیث کی بنا پر بٹائی کو ناجائز قرار دیدیا۔ اختصار کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان احادیث کا صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مشہور حنفی امام شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار آدمیوں نے اکٹھے ہو کر معاملہ طے کیا کہ ایک کی زمین ہوگی۔ دوسرا بیل دیگا، تیسرا بیج دیگا اور چوتھا کاشت کریگا۔ اور طے یہ پایا کہ پیداوار کو چاروں آپس میں بانٹ لینگے جب کھیتی پک کر تیار ہو گئی تو رسولِ خدا صلعم کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا۔ آپ نے سارے قصے کو سنکر جو فیصلہ دیا وہ یہ تھا۔ ہل بیل والے کو آپ نے اجرِ مثل دلایا، کاشتکار کو ایک درہم یومیہ کے حساب سے مزدوری، بیج والے کو پیداوار کا مستحق قرار دیا۔ جبکہ زمین کے مالک کے حصے کو آپ نے لغو قرار دیا اور اسے کچھ بھی نہ دیا۔ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام سرخسی فرماتے ہیں۔ الحدیث صحیحٌ وکلّ قیاس بمقابلتہ متروکٌ۔ حدیث صحیح ہے اور اس کے مقابلے میں ہر قیاس متروک ہے۔ (المبسوط۔ جلد ۲۳)

دوسری حدیث شیخ علی متقی نے کنز العمال میں نقل کی ہے کہ حضور صلعم ایک روز ظہیر کے کھیت کے پاس سے گزرے جس پر ہری بھری کھیتی لہلہا رہی تھی۔ بے اختیار آپ کے منہ سے نکل گیا: ما احسن زرع ظھیر۔ (ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے) صحابہ کرامؓ نے آپ کو بتایا کہ زمین تو ظہیر کی ہے مگر اس پر کاشت دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ کاشت کے مصارف

ادا کر کے اپنی کھیتی واپس لے لے۔ (کنزالعمال - جلد ۸، صفحہ ۷۷)

مودودی صاحب اگر ان واضح احادیث کو نقل کر دیتے تو پھر انہیں بحث الجھانے میں دشواری پیش آتی اس لئے انہوں نے ان پر پردہ ڈالنا ہی مناسب سمجھا اور ایسی احادیث کو پیش کیا کہ جن کی تشریح یا بعض حصوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان تمام احادیث میں بٹائی کو ناجائز ہی قرار دیا گیا ہے لیکن متضاد تشریحات اور ان اختلافی جملوں کی مدد سے وہ کسی حد تک بحث الجھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد بٹائی کے جواز کے لئے اپنی طرف سے خیبر کا واقعہ پیش کر دیتے ہیں۔ ان متضاد تشریحات کی حقیقت بھی ہم مزید بیان کریں گے۔ لیکن چونکہ خیبر کا واقعہ مودودی صاحب کا سب سے بڑا سہارا ہے، اس لئے پہلے اس کی تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

واقعہ خیبر سے بٹائی کا جواز

خیبر کی فتح کے بعد حضور صلعم نے یہ علاقہ اہل خیبر کے پاس اس شرط پر رہنے دیا کہ وہ اس کی نصف آمدنی بطور خراج ادا کر دیں گے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کی پوری تفصیلات نقل کرنے کے بعد مودودی صاحب بٹائی کا جواز یوں پیش کرتے ہیں:۔

"یہ عہد نبوت و خلافت کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے اور اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں صریح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بٹائی پر زمین کاشت کے لئے دی ہے۔ اپنی طرف سے بھی، حکومت کی طرف سے بھی، اور ان پندرہ سو افراد کی طرف سے بھی جن کا حصہ خیبر میں تھا۔ اس طریقہ پر آپ اپنے آخری لمحۂ حیات تک عامل رہے اور آپ کے بعد شیخین کا عمل بھی اسی پر رہا۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کو گمان ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون میں زمین بٹائی پر کاشت کے لئے دینا ممنوع تھا۔" (صفحہ ۶۹ - ۷۰)

اور پھر اس کی مزید توضیح یوں فرماتے ہیں:۔

"پھر کوئی ایسا شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت اور آپ کے خلفاء راشدین کی زندگی اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے حالات سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جو زبان سے ایک چیز کو غلط کہیں اور اسے رائج رہنے دیں۔ اور زبان سے ایک دوسرے طریقہ کو برحق کہیں اور عملاً اسکو جاری نہ کریں۔ (صفحہ ۷۱)

مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب بالکل ایک غلط استدلال کی بنیاد پر حضور صلعم، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کی سیرتوں کا ناجائز واسطہ دے رہے ہیں، حالانکہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کے بڑے بڑے ائمہؒ نے جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس فیصلہ کے بالکل الٹ فتوے دیا تھا۔ جو مودودی صاحب ان پاک ہستیوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ زیادہ تفصیلات نقل کرنے کی گنجائش نہیں اس لئے ہم ان میں سے بعض کا مسلک مختصراً پیش کرتے ہیں۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔

"لیکن پیداوار کی بٹائی کے ناجائز ہونے پر مذکورہ بالا اصحاب ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو اسکی مخالفت میں وارد ہوئی ہیں، اور خیبر کے معاملے کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ خیبر تو بزور شمشیر فتح ہوا تھا اور اسکے باشندے آنحضرت صلعم کے غلام ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کی پیداوار میں سے جو کچھ بھی آپ نے لیا وہ بھی آپ ہی کا اور جو کچھ چھوڑ دیا وہ بھی آپ ہی کا تھا۔ حازمی کہتا ہے کہ یہ مذہب حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت اسیر بن حضیرؓ اور حضرت نافعؒ سے مروی ہے اور اسی کی طرف امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور کوفیوں میں سے امام ابوحنیفہؒ گئے ہیں۔"

دیکھئے، خود اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے خراج قرار دے رہے ہیں لیکن مودودی صاحب کس دھڑلے سے فرما رہے ہیں کہ "کسی کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون میں بٹائی پر زمین کاشت کے لئے دینا ممنوع تھی"۔ حالانکہ

اسلامی قانون کو امت مسلمہ کے لئے مدون کرنے والے تینوں ائمہ عظام یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسے حرام قرار دے رہے ہیں۔ شاید ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب ان تینوں کو شاید امام سمجھتے ہی نہیں۔

ایک دفعہ پھر یاددہانی

بحث کی طوالت سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بٹائی کا تعلق ہمارے ملک کی اراضی سے ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں واضح کر چکے ہیں، اسلامی قانون کی رُو سے ہمارے ملک کی تمام اراضی مملکت کی ملکیت ہیں، اس لئے یہاں بٹائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم مودودی صاحب کے ان دلائل کا جائزہ صرف علمی حیثیت سے لے رہے ہیں کہ عرب کی اراضی میں بھی بٹائی جائز نہیں ہے کیونکہ سرے سے یہ سودی معاملہ ہے۔ اب ہم پھر واقعہ خیبر کی طرف آتے ہیں۔

واقعہ خیبر ایک استثنائی صورت

اوپر تو مودودی صاحب نے واقعہ خیبر کا سہارا لے کر بڑے دھڑلے سے بٹائی کے سودی کاروبار کو جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لیکن وہ ایسا کرتے وقت بھول گئے کہ انہوں نے اپنے الماریاں بھر دینے والے لٹریچر میں دوسرے مقامات پر بھی اس کا حوالہ دیا ہے یا نہیں۔ انہوں نے اسلامی قوانینِ جنگ کے بارے میں ایک کتاب الجہاد فی الاسلام تصنیف فرمائی لیکن اس میں واقعہ خیبر کسی طرح فٹ نہیں بیٹھتا تھا تو اس ریمارک کے ساتھ سارا واقعہ ہی نظرانداز کر دیا کہ یہ ایک استثنائی صورت تھی جس پر اسلامی قانون کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

خیبر کی پیداوار سرکاری معاملہ تھا

لیکن ایک دوسرے مقام پر تو وہ خیبر کی پیداوار کے بارے میں حق بات کہہ جاتے ہیں کہ وہ خراج تھا۔ انہی کی زبانی سننے میں لطف آئیگا۔ فرماتے ہیں:-

"وہ جن کو راستبازی اور انصاف کی ہوا تک نہ لگی تھی، ان کے عدل و راستی کا یہ حال ہو گیا کہ خیبر کی صلح کے بعد جب ان کا تحصیلدار سرکاری معاملہ وصول کرنے گیا تو یہودیوں نے اس کو ایک بیش قرار رقم اس غرض کے لئے پیش کی کہ وہ سرکاری مطالبہ میں کچھ کمی کر دے۔ مگر اس نے رشوت لینے سے انکار کر دیا اور حکومت اور یہودیوں کے درمیان پیداوار کا آدھا آدھا حصہ اس طرح تقسیم کیا کہ دو برابر کے ڈھیر آمنے سامنے لگا دیئے اور یہودیوں کو اختیار دیا کہ دونوں میں سے جس ڈھیر کو چاہیں اٹھا لیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع ہفتم۔ صفحہ ۲۳۹)

دیکھئے، کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینا دین کی اساسات میں سے ہے لیکن مودودی صاحب اسے بچوں کا کھیل قرار دے رہے ہیں۔ خیبر کی پیداوار کو خراج یا سرکاری معاملہ قرار دو تو زمین کو بٹائی پر دینا حرام ہو جاتا ہے اور اگر واضح ارشاداتِ رسولؐ کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اسے بٹائی کا معاملہ قرار دیا جائے تو یہی حرام حلال ہو جاتا ہے۔ اور مودودی صاحب دو مختلف مقامات پر دونوں مفہوم پیش کر رہے ہیں۔ یہ ہیں اسلامی تحقیق کے وہ نادر نمونے جن کے بارے میں مودودی صاحب بار بار دعویٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کے سمجھنے میں اپنی عمر کھپا دی ہے۔ (صفحہ ۱۰۴)

آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ

واقعہ خیبر سے غلط استدلال کی حقیقت دکھلانے کے بعد ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ مودودی صاحب کے وہ سہارے دکھائے جائیں جن کی مدد سے انہوں نے واضح ارشاداتِ رسول اللہ کو الجھانے کی کوشش کی۔ یہ ہیں صحابہؓ اور تابعین سے منقول متضاد آثار۔ حالانکہ اصولی بات یہ تھی کہ جو آثار ارشاداتِ رسولؐ کے مطابق ہوتے انہیں تسلیم کر لیا جاتا اور دوسرے کو چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن ایسا کرنے سے سرمایہ داری کا جواز کہاں سے پیدا

ہوتا کہ جس کی مدد سے لاحدود اراضی خریدی جاتی تھے۔ ان میں سے بعض آثار کے تضاد کی جھلک ملاحظہ ہو۔ مثلاً امام بخاری نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابن سیرینؒ زمین بٹائی پر دیتے تھے۔ لیکن اسی بخاری کے مشہور حنفی شارح علامہ عینی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن سیرینؒ بٹائی کی تمام اقسام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ علامہ ابن حزم نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ ابن سیرینؒ ہر قسم کی بٹائی کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ (المحلیٰ جلد ۸۔ صفحہ ۲۱۳)۔ ایک اور مثال طویل ہے لیکن اس کے نقل کئے بغیر ان آثار کے تضاد کی صحیح تصویر سامنے نہیں آئے گی۔ مودودیؒ صاحب فرماتے ہیں :۔

"دوسری مفصل روایت میں یہ ہے کہ طاؤس اپنی زمینیں بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ اس پر مجاہد نے ان سے کہا کہ چلو رافع بن خدیج کے بیٹے کے پاس چلیں۔ وہ اپنے والد سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ مگر طاؤس نے ان کو ڈانٹ دیا اور کہا خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلعم نے اس کام سے منع فرمایا ہے تو میں اسے ہرگز نہ کرتا۔ لیکن جو شخص رافع بن خدیج سے زیادہ علم رکھتا ہے یعنی ابن عباسؓ اس نے مجھ سے کہا۔

اِنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لان یمنح الرجل اخاہ ارضہ خیرٌ لہٗ من ان یاخذ علیہا خرجاً معلوماً۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو یونہی زمین دیدے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اس پر مقررہ لگان لے۔" (صفحہ)

اور اسی طرح کی تین اور وضاحتیں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہیں۔

واقعہ خیبر کی بحث میں جن صحابہ کرامؓ سے بٹائی کا عدم جواز نقل کیا گیا تھا ان میں حضرت ابن عباسؓ کا نام نامی بھی شامل تھا۔ یہ تو تھا ان وضاحتوں کا بنیادی تضاد۔ اب اس کے دوسرے تضاد ملاحظہ ہوں۔ اس روایت سے مودودی صاحب یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس بٹائی کو جائز سمجھتے ہوئے اپنی زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ ادھر محدثین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت طاؤس بٹائی کی ہر صورت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ طاؤس ان لوگوں میں سے تھے جو کسی شرط پر بھی زمین کے بندوبست کو جائز نہیں سمجھتے تھے (فتح الباری شرح بخاری جلد ۵ ص ۱۹)۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں "اور طاؤس اور ایک قلیل گروہ کہتا ہے کہ زمین کا کرایہ مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ وہ زمین کی پیداوار کے ایک حصہ کی شکل میں ہو یا سونے چاندی کی شکل میں یا کسی اور صورت میں۔" (نیل الاوطار۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۳)

اپنے مقصد کے لئے مودودی صاحب طاؤس کی ایک دوسری روایت کا بھی یوں سہارا لیتے ہیں :۔

"طاؤس کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی زمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں تہائی اور چوتھائی پیداوار کی بٹائی پر زراعت کیلئے دیتے رہے۔" (صفحہ)

اس روایت کی صحت کا اندازہ صرف اسی امر سے لگائیے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں طاعون عمواس میں وفات پاچکے تھے (تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۰) اور روایت میں مودودی صاحب انہیں حضرت عثمانؓ کے دور حکومت میں زمینوں کو بٹائی پر دیتے ہوئے دیکھتے ہیں اور پھر اس واضح ضعف کے باوجود اس سے بٹائی کے جواز کے لئے استدلال فرماتے ہیں۔ پھر دوسرے اس تضاد کو سامنے رکھئے کہ یہ روایت حضرت طاؤس سے بیان کی جارہی ہے جو محدثین کی تحقیق کے مطابق بٹائی کی ہر قسم کو ناجائز سمجھتے تھے۔

بٹائی کے جواز کے عقلی دلائل

یہ تو تھیں بٹائی کے جواز کے بارے میں وہ تفصیلات جو سلف صالحین سے منقول ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جس طرح مودودی صاحب نے تنکوں کے پُل بنائے ان سے خود ان کی اپنی تسلی نہیں ہوئی۔ اب وہ اس کے لئے عقلی دلائل فراہم کرتے ہیں اور اسے مضاربت کے اصول پر جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ اس ایڈیشن میں مودودی صاحب نے بغیر کسی تصریح کے اہم تبدیلیاں کر دی ہیں، اس لئے پہلے ہم اس عبارت کو ان کے دوسرے ایڈیشن سے پیش کرتے ہیں۔

"اسلامی قانون نے تجارت، صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دے سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے کہ تو اس سے کاروبار کر، نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا میں شریک ہوں ۔۔۔۔ لیکن آخر اس بات کے لئے کون سی معقول وجہ ہے کہ ایک شخص اپنا سرمایہ زمین کی شکل میں دوسرے کو دے کر یہ نہ کہہ سکے کہ تو اس میں کاشت کر۔ پیداوار میں تہائی یا چوتھائی یا نصف کا میں شریک ہوں۔" (دوسرا ایڈیشن صفحہ ۵۵)

مضاربت کی غلط تعریف

کتنی حیرت کی بات ہے کہ مفکر اسلام جس بنیاد یعنی مضاربت کے اصول پر بٹائی کے سودی کاروبار کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، اس کی صحیح تعریف سے بھی واقف نہیں۔ کیونکہ فقہا نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ اس کے الٹ ہے۔ ان کے نزدیک: فی اللغة عبارة ان یدفع شخص مالاً للآخر لیتجر فیه علی ان یکون الربح بینهما علی ما شرطا والخسارة علی صاحب المال۔ (الفقه علی المذاهب الاربعه جلد ۳، صفحہ ۴۴) مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لئے مال دے کہ نفع تو ان میں ان کی شرائط کے مطابق تقسیم ہو اور نقصان صرف صاحب مال کے ذمہ ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس مودودی صاحب نفع و نقصان میں دونوں کو برابر کا شریک قرار دے رہے تھے۔ ہم نے بارہا مودودی صاحب کی اس غلطی کی نشاندہی کی۔ چنانچہ انہوں نے اس ایڈیشن میں اپنی مضاربت کی تعریف صحیح کرنے کی کوشش تو کی ہے لیکن اس کوشش میں ان کے غلط استدلال کی ساری عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے۔

بٹائی میں ہوتا یوں ہے کہ زمین کا مزارع ہی ہل بیل مہیا کرتا ہے۔ وہی اپنی جیب سے بیج ڈالتا ہے، رکھوالی کرتا ہے، اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو برداشت کرتا ہے اور نصف فصل مالک زمین کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ اور بالفرض اگر فصل ضائع ہو جائے تو سب نقصان غریب مزارع یعنی کارندہ کا ہوتا ہے۔ مالک کا کچھ بھی نہیں جاتا۔ حالانکہ مضاربت کی رو سے سب نقصان مالک کا ہوتا ہے، کارندہ کا کچھ بھی نہیں جاتا بلکہ نقصان کی صورت میں الٹا اس کو اخراجات کی رقم بھی دینی ہوتی ہے۔ تو پھر اس الٹ تعریف سے بٹائی کا جواز کہاں سے نکل آیا؟ اول تو یہاں مضاربت والی تعریف کسی طرح چسپاں ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر بالفرض ایسا ممکن بھی ہوتا تو یہ مضاربت کوئی بنیادی اسلامی اصول تھوڑا ہے بلکہ فقہا نے مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دی ہے

انّ بالناس حاجة الی عقد المضاربة فصاحب المال قد یکون عاجزاً عن التصرف بنفسه۔ (المبسوط للسرخسی۔ جلد ۲۲۔ صفحہ ۱۷)

(ترجمہ) لوگوں کو مضاربت پر کام کرانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً صاحب مال اپنے سرمایہ میں خود تصرف کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

امام ابن حزم اس سے بھی آگے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک سرے سے مضاربت کی مشروعیت ہی مشکوک ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قال ابن حزم فی مراتب الاجماع کل ابواب الفقه فیها اصل من الکتاب والسنة حاشا القراض۔ فما وجدنا له اصلاً فیها البتة۔ (نیل الاوطار۔ جلد ۵۔ صفحہ)

علامہ ابن حزم مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں کہ فقہ کے ہر باب کی اصل کتاب وسنت میں ہے۔ لیکن مضاربت کی کوئی اصل کتاب وسنت میں نہیں ملی۔

ان تفصیلات سے یہ حقیقت اجاگر ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مودودی صاحب نے جن غلط استدلالات کے ذریعے "دربار نبوی" کے اس فیصلے کو کہ بٹائی سود ہے، جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ تنکوں کے پل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور یہ پل دلائل کی ٹھوکروں سے گرائے جا چکے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کے اس مغالطے کی قلعی بھی کھول دی گئی ہے کہ بٹائی کی بحث تو وہ اراضی عرب کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں لیکن اسے چسپاں اپنے ملک کی اراضی پر کرتے ہیں جن کی شرعی حیثیت بالکل مختلف ہے یعنی یہ کہ وہ سرے سے اسلامی ریاست ہی کی ملکیت ہیں۔

ہم مودودی صاحب سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے اور ہمارے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں سودی معاملہ کو جائز قرار دینے والی اپنی اس تصنیف سے اپنی پہلی فرصت میں رجوع فرمائیں گے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

(۱)

طلوع اسلام

بحث کا مدار اگر قرآن کریم کو قرار دے لیا جائے تو ان جھمیلوں میں الجھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جن میں مودودی صاحب جہلا کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنے دعاوی کی بنیادیں 'حدیث اور فقہ' کو قرار دیتے ہیں، اس لئے تنقید نگار نے ان کے لاطائل دلائل کو احادیث اور فقہ ہی کی ضربوں سے پاش پاش کیا ہے۔

پیشگی خریداری

آپ ایک روپے کی کتاب منگواتے ہیں تو اس پر کم از کم بارہ آنے ڈاک کے خرچ آجاتے ہیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو پیشگی خریداروں کی فہرست میں شامل کرلیں تو آپ کا یہ سارا خرچ بچ سکتا ہے۔ اس کے لئے صرف اتنا کرنا ہوگا کہ آپ مبلغ ایک سو روپیہ پیشگی جمع کرادیں۔ اس کے بعد آپ جو کتاب طلب فرمائیں گے وہ (بغیر ڈاک خرچ) آپ کو بھیج دی جائے گی۔ رسالہ طلوع اسلام کا چندہ بھی اُسی سے وضع کرلیا جائے گا۔ اور آپ کا حساب باقاعدہ آپ کو بھیج دیا جائے گا۔

(ناظم)

نہ ستارے میں ہے نے گردشِ افلاک میں ہے
تیری تقدیر میرے
نالۂ بیباک
میں ہے!

پرویز صاحب کا خطاب

جس سے انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ نومبر ۱۹۷۱ء کے مندوبین کو

خوش آمدید کہا

ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵ بی گلبرگ لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

نالۂ بیباک

زمیلانِ محترم و ندیمانِ مکرم۔ سلامٌ و رحمت۔

منجموں کے ہاں زہرہ اور مشتری ستاروں کو بڑا مبارک اور مسعود خیال کیا جاتا ہے۔ جب کبھی ایسا ہو کہ یہ دونوں ستارے یک جا جمع ہو جائیں تو وہ اسے قرانِ السعدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس شگون کو انسانوں کے لئے بڑا بابرکت اور ضامنِ سعادت تصور کرتے ہیں۔ ہم نہ تو ستاروں کی سعادت و نحوست کے قائل ہو سکتے ہیں اور نہ ان کے یک رنگ ہونے کو نشاط آہنگ تصور کر سکتے ہیں ۔۔۔ جو خود محرومِ حیات اور مجبورِ اختیار ہوں وہ زندہ اور صاحبِ اختیار و ارادہ انسانوں کے مقدرات پر کیا اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ لیکن قرانِ السعدین کا تو ہمیں بھی قائل ہونا پڑیگا۔ ہم وابستگانِ دامنِ قرآنی کے لئے سب سے بڑی گراں بہا سعادت و رحمت کی ساعت وہ ہے جب خدا کی یہ کتابِ عظیم نوعِ انسان کو عطا کی گئی۔ اسی مبارک و مسعود تقریب کو عید کہا جاتا ہے اور ہم اسے جشنِ نزولِ قرآن کہہ کر منایا کرتے ہیں۔ اس کے بعد، ہمارے لئے وجۂ ہزار کیف اور باعثِ صد ہزار مسرت ہمارا یہ اجتماع ہے جو قرآنی فکر کے فروغ و درخشندگی کے لئے منعقد کیا جاتا ہے۔ اس دفعہ یہ دونوں بہجت زا اور مسرت افزا تابندہ و درخشندہ تقاریب ایک ہی ہفتہ کے اندر ہمارے لئے وجۂ نشاطِ روح اور باعثِ شادابیٔ قلب ہوئی ہیں۔ ایسے ہی تھے وہ کیف آور لمحات جن سے مسحور ہو کر غالبؔ انتہائی وجد و رقص کے عالم میں بیساختہ پکار اٹھا تھا کہ ۔۔۔ موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب ۔۔۔ اور ۔۔۔ موجۂ گل سے چراغاں ہے گذرگاہِ خیال ۔۔۔ اور کبھی یہ کہ ۔۔۔ نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مستِ طرب۔

اے آمدنت .... آپ احباب کے کنونشن سے رخصت ہونے کے وقت جو میں ہر بار کہا کرتا ہوں کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

تو میں آپ کے ہزار بار جانے کے بعد صد ہزار بار دوبارہ آنے کا انتظار اسی دن سے شروع کر دیا کرتا ہوں اور جب کنونشن قریب آنے لگتی ہے تو غالبؔ ہی کی ہم آہنگی میں عالمِ تصور میں اکثر گنگناتا رہتا ہوں کہ

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے ۔۔۔ کہ غیر جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

آپ احباب کو خدا زندہ و پایندہ اور سرسبز و شاداب رکھے کہ آپ کی رفاقت میرے لئے زہرہ و مشتری کے قرانِ السعدین سے ہزار گنا زیادہ موجبِ سعادت و برکت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب ہم فرداً فرداً اپنے آپ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی کم مائیگی اور بے سر و سامانی کے احساس سے خود اپنی نگاہوں کے ترازو میں ہیچ میرز نظر آتے ہیں۔ لیکن حسنِ ترمیل کا اعجاز ہے کہ یہی بے مایہ سے افراد جب ایک کارواں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی یک جہتی اور ہم آہنگی سے یہ کیفیت پیدا

ہو جاتی ہے کہ ان میں کا ایک ایک فرد — ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا — کا مظہر بن جاتا ہے۔

چند تنکوں کی کیا قدر و قیمت مگر　　حسنِ ترتیب سے آشیاں ہو گئے

خدا اس آشیاں کو ہر برقِ حوادث کی یورش سے محفوظ رکھے۔

سالِ گزشتہ کی تباہی

عزیزانِ گرامی قدر! آپ کو یاد ہو گا کہ سالِ گزشتہ جب ہم یہاں جمع ہوئے تھے تو ملک کو انتخابات کا بخار بڑی شدت سے چڑھ رہا تھا۔ اس کی تمہید کے طور پر جنوری ۱۹۷۰ء سے سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندیاں اٹھا دی گئی تھیں۔ سیاسی پارٹیوں نے اس آزادی سے جس بُری طرح فائدہ اٹھایا اس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ (اس سے) الٰہ دین کے افسانے کا جنّ، اس طرح بوتل سے باہر نکل آیا کہ اسے پھر سے بوتل میں بند کرنا خود الٰہ دین کے بس میں بھی نہ رہا۔ پہلے جو آندھیاں تھیں، وہ بے پناہ جھکڑ بن گئیں، جو چنگاریاں تھیں، وہ شعلۂ جوالہ میں تبدیل ہو گئیں۔ پہلے جو دریائے پُر شور تھے، وہ بے پناہ سیلاب کی طرح امنڈ پڑے۔ جو دھماکے تھے انہوں نے آتش فشاں زلزلوں کی شکل اختیار کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا ملک، ان جھکڑوں اور سیلابوں، ان شعلوں اور زلزلوں کے نرغے میں اس بُری طرح آ گیا کہ پھر نہ کسی کی عزت محفوظ رہی، نہ آبرو مصئون۔ نہ جان کا تحفظ رہا، نہ مال کا۔ شرافتیں لٹ گئیں، نجابتیں برباد ہو گئیں۔ نظم و نسق تہ و بالا ہو گیا۔ اطمینان و سکون عہدِ رفتہ کا افسانہ بن گئے۔ کیا لیڈر اور کیا ان کے متبعین سب اس آتشیں رقص میں ننگے ناچ رہے تھے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ ان تمام قیامت فراموش ہنگاموں میں ایک طلوعِ اسلام تھا جس نے اپنے ہوش و حواس کھوئے نہ دماغی توازن بگڑنے دیا۔ سارے ملک میں یہی ایک گوشہ تھا جہاں سے یہ آواز برابر ابھرتی رہی کہ پاگلو! سوچو۔ یہ جو تم اپنے ہاتھ سے تباہیاں لا رہے ہو۔ یہ کس کی تباہیاں ہیں۔ ذرا ہوش میں آؤ۔ آنکھ کھول کر دیکھو۔ وہ کون ہیں جن کی عزتیں برباد ہو رہی ہیں۔ وہ کون ہیں جن کی شرافتیں لٹ رہی ہیں۔ وہ کون ہیں جن کی بربادیوں کا تماشہ ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور جن کی تباہیوں پر دشمن کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے جا رہے ہیں۔ اپنی ان مجنونانہ حرکات کو دیکھو اور سوچو کہ

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی　　یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

اس کے بعد میں نے کہا تھا کہ

علامہ اقبالؒ نے اپنے دور کی ہنگامہ خیزیوں سے متأثر ہو کر کہا تھا۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

وہ اگر آج زندہ ہوتے تو اُس دور کی ہوائے تند و تیز کو اس زمانے کے جھکڑوں کے مقابلہ میں نسیم سحر کہہ کر پکارتے۔

سالِ رواں کی بربادیاں

جب میں یہ کچھ کہہ رہا تھا تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ جو کچھ اس بدنصیب ملک میں ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ میں وہ طوفان اور جھکڑ جو پہلے گذر چکے ہیں، دکھائی دینگے .... یہ قیامت مشرقی پاکستان میں مارچ ۱۹۷۱ء کے اوائل میں شروع ہوئی اور اس کے بعد جو کچھ وہاں کی مظلوم آبادی پر گزری

اس کی یاد سے آج بھی روح پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ میرا قلبِ حساس کبھی کبھی بیساختہ پکارا کرتا تھا کہ

خدا عدو کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے	قفس کے سامنے جلتا تھا آشیاں اپنا

کیا معلوم تھا کہ جس خواب بد کے متعلق یہ دعائیں مانگا کرتا تھا کہ خدا اُسے عدو کو بھی نہ دکھلائے، وہ خواب نہیں بلکہ زندہ حقیقت بنکر کسی دشمن کے سامنے نہیں، بلکہ خود ہمارے سامنے آجائیگا۔ اور اس طرح آجائیگا کہ۔ آشیاں جلتا رہا میں ناتواں دیکھا کیا۔ آشیاں سوزی کا یہ عبرت آمیز منظر آپ سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ واقعہ بھی ابھی کل کا ہے، اس لئے مجھے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی وہ تفاصیل اس قدر ورد انگیز، جگر سوز، دل دوز اور المناک ہی نہیں بلکہ شرمناک ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کی یاد حافظہ سے محو ہو جائے۔ ان کا کوئی ذکر نہ کرے۔ تاریخ انہیں اپنے صفحات سے مٹا دے۔ زمانہ انہیں ماضی کے تنگ و تاریک غاروں میں چھپا دے۔ ہم نے عزیزانِ من! اقوامِ سابقہ کی تاریخ میں، تباہی اور بربادی کی بڑی بڑی قیامت خیز داستانیں پڑھیں۔ ہم نے عصرِ حاضر میں دو طویل اور مہیب، عالمگیر جنگیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ہم نے نازیوں کے کیمپوں اور فاشسٹوں کے محبس خانوں میں سبعیت و بربریت کے نہایت دردناک اور الم انگیز قصے سنے۔ لیکن جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔ تاریخی شواہد نے کسی قوم پر جو مظالم بھی پیش کئے، وہ ان کے دشمنوں کیطرف سے روا رکھے گئے۔ لیکن یہاں جو کچھ کیا، خود اپنوں نے اپنوں کے ساتھ کیا۔ یہاں اہلِ چمن نے اپنے ہاتھوں سے آشیانوں کو آگ لگائی۔ یہاں گھر والوں نے قزاقوں کو دعوت دیکر بلایا۔ یہاں مسلمان نے مسلمان کا خون پیا۔ یہاں دوستوں نے دوستوں کے کلیجے چبائے۔ یہاں بھائیوں نے بہنوں کی عصمتیں لوٹیں۔ یہاں باپوں نے بیٹیوں کو درندوں کے حوالے کر دیا

اے محمدؐ! اگر قیامت را برآری سر زِ خاک	سر برآور وایں قیامت درمیانِ خلق بیں

اور جو کچھ اقبال کے نالۂ نیم شبی اور قائداعظم کی فغانِ سحرگاہی نے مدتوں میں جمع کیا تھا، اُسے ہم نے چند دنوں میں یا جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا، یا غیروں کے حوالے کر دیا۔

کہاں پہ جا کے لٹا کاروانِ مہر و وفا	کہ دوستی سے بہت دور دشمنی نہ رہی

لیکن برادرانِ گرامی قدر! قرآنِ عظیم کی تعلیم بھی انسان میں عجیب قلب ماہیت پیدا کر دیتی ہے۔ کوئی اور اتنا حساس ہوتا تو کپڑے پھاڑ کر اس وحشت کدہ سے جنگل کیطرف بھاگ جاتا۔ لیکن طلوعِ اسلام نے ایکبار پھر ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کیطرح اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھا اور اپنے دماغی توازن کو ذرا سا بھی بگڑنے نہ دیا بلکہ کثرتِ حوادث اور شدتِ آلام سے اب اس کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ

دل دھڑکتا ہے تو پیغامِ سکوں ملتا ہے	ایک مدت میں یہ اندازِ جنوں ملتا ہے

سکون گہر

آپ طلوعِ اسلام کی گذشتہ چھ سات ماہ کی اشاعتوں پر ایک نگاہ بازگشت ڈالئے۔ آپ کو اس میں کسی قسم کی پریشانی یا حواس باختگی کا شائبہ تک نظر نہیں آئیگا۔ علامہ اقبال نے جو دعا مانگی تھی کہ

سازی اگر حریفِ یمِ بیکراں مرا	با اضطرابِ موج، سکونِ گہر بدہ

تو ہماری جبینِ نیاز، بارگاہِ ایزدی میں لحظہ بہ لحظہ سجدہ ریز ہے کہ یہ دعا، ہمارے حق میں، حرف بحرف قبول ہوئی۔ اس نہایت پُر آشوب محشرستان میں طلوعِ اسلام، کامل سکوت و سکون سے اپنی اس پکار کو برابر دہرائے چلا گیا کہ یہ سب قیامت خیزیاں اس لئے ہیں کہ ہم نے اپنی نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام نہ کیا۔ نہ ہم نے ان کے سامنے اس نصب العین کے چراغ روشن کئے جس کے لئے اس مملکت کو حاصل کیا گیا تھا۔ نہ ہم نے ان راستوں کی نشاندہی کی جو انہیں اُس منزل تک پہنچا دے۔ اس خلفشار

کے اسباب و علل کی تحقیق کرنے کے لئے، کمیٹیاں بٹھائی جائیں گی، کمیشن مقرر ہوں گے، لیکن ہمارے یہ کمیشن اور کمیٹیاں اس قسم کے حوادث کے سطحی اسباب کے گرداب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ دریا کی گہرائی میں اتر کر، بنیادی اور اساسی علت و اصل تک نہیں پہنچتیں۔ اگر اس انداز سے تحقیق کی جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ

تماشہ ایک ہی ہے تم نے جس دور میں دیکھو
وہی بھولی ہوئی منزل وہی بھٹکے ہوئے راہی

اور جب تک منزل کو متعین طور پر سامنے نہ لایا جائے، نہ کارواں اپنے مستقر تک پہنچ سکتا ہے، نہ متاعِ کارواں رہزنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس مملکت کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اس کی منزل و مستقر کا تعین قرآنِ عظیم کی قندیل درخشاں کے سوا اور کونسی روشنی کر سکتی ہے۔ طلوع اسلام اپنے بخت و نصیب کی اس یاوری پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے کہ اس نے اس چراغ ابدی کی ضیا پاشیوں میں اس منزل کا سراغ پایا اور اس کے بعد تیس پینتیس سال سے اس کا ہر قدم اسی کی طرف اٹھتا چلا جا رہا ہے ــــ

استقامت

طلوع اسلام کی اشاعت بابت نومبر ۱۹۷۱ء میں "تحریک پاکستان کی کہانی" کے عنوان سے جو ماضی کی سرگزشت شائع ہوئی ہے اس میں آپ دیکھیں گے کہ اس نے جو آواز اپنے آغاز سفر میں ۱۹۳۸ء میں بلند کی تھی، اس میں کسی مقام پر بھی، نہ کسی قسم کی تبدیلی ہوئی ہے نہ بے آہنگی۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ

ہوئی لاکھ دنیا اِدھر کی اُدھر ہے
وہی سنگ در ہے، وہی اپنا سر ہے

اس دوران میں سینکڑوں پارٹیاں وجود میں آئیں اور ختم ہوگئیں۔ بیسیوں آوازیں اٹھیں اور صدا بصحرا ثابت ہو کر فضا کی پہنائیوں میں گم ہوگئیں۔ کئی چراغ جلے، اور دامنِ زمانہ کی ایک جنبش سے سیاہ پوش ہو گئے۔ کئی تحریکیں آندھیوں کی طرح ابھریں اور آنسوؤں کی طرح بیٹھ گئیں۔ مفاد پرستوں کے خود ساختہ اسلام کے کئی مختلف ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن مصلحت اندیشیوں کی دیمک نے انہیں اس طرح چاٹا کہ ان کا ایک حرف تک بھی زمانہ کے صفحہ پر دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن تغیرات کی ان آندھیوں اور انقلابات کے ان جھکڑوں میں ایک طلوع اسلام ہے کہ جس میں آپ کو نہ کہیں تضاد ملیگا نہ تخالف نظر آئیگا۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ۔ تم طائرِ نگاہ کو جہاں تک جی چاہے اذنِ بال کشائی دو، اسے اس میں کہیں خلل دکھائی نہیں دے گا۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (۶۷/۴) تم اسے ایک بار نہیں بار بار فضا کی پہنائیوں میں آزاد چھوڑو، وہ ہر بار واماندہ و درماندہ، کاشانۂ چشم میں لوٹ آئیگا اور اسے کہیں اختلال و فطور نظر نہیں آئیگا۔ یہ کچھ خدا نے کائنات سے نظم و ترتیب کائنات کے سلسلہ میں کہا ہے۔ اور چونکہ طلوع اسلام بھی خدا کے کائنات کے صحیفہ ابدی سے راہنمائی حاصل کرتا ہے اس لئے اس کی دعوت و پیغام میں بھی آپ کو کہیں تضاد و اختلال نہیں ملیگا۔ اور یہ تغیراتِ زمانہ کے جھکڑوں میں ثبات و استقامت کا مجسمہ خمیدہ کوہسار دکھائی دے گا۔ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ (۱۴/۲۴) اس شجر ثمردار کی طرح جس کی جڑیں پاتال میں ہوں اور شاخیں ثریا بوس۔

مذہب پرست طبقہ نے اس کے اس اعتصام بحبل اللہ کو الحاد و بے دینی کہہ کر پکارا، کیونکہ یہ اُن کے دورِ ملوکیت کے وضع کردہ اسلام کا حریف تھا۔ ہماری نئی نسل کے اس گرم جوش طبقہ نے جس کی غلط نگہی، فساد کو انقلاب بنا کر دکھاتی تھی، اس کی مستقل اقدار سے وابستگی کو جمود بلکہ رجعت سے تعبیر کیا، اور اسے بے عملی کے طنز کا نشتر بھی چبھویا۔ لیکن للہ الحمد کہ اس کے پائے استقلال میں ذرا سی لغزش بھی نہ آئی۔ اصل یہ ہے کہ اس دور مادہ پرستی میں جب کہ کوئی قدر بھی اپنے مقام پر باقی نہیں رہ گئی، ابدی اقدار سے وابستگی اور غیر متبدل اصولِ حیات سے شیفتگی، عام نگاہوں کو تعجب انگیز دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلوع اسلام کی روش کو کہیں رجعت پسندی قرار دیا جا رہا ہے اور کہیں دیوانے کا خواب۔

حقیقت کو حقیقت کہہ رہا ہوں مجھے حیرت سے دنیا دیکھتی ہے

لیکن رفتہ رفتہ حقائق بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اپنے ناکام تجارب کے بعد دنیا کو اس کا احساس ہوتا جا رہا ہے کہ کوئی عمارت بھی مستحکم قرار نہیں پا سکتی جب تک اس کی بنیادیں اپنی جگہ پر قائم نہ ہوں۔

حقیقی سبب

ہمارے ہاں ساری تباہیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہاں بنیادوں کی طرف کسی نے توجہ ہی نہیں دی۔ یہی نہیں کہ انکی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی بلکہ انہیں کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ ہمارے ارباب سیاست اور ارکان نظم و نسق کی کامل تئیس سال سے یہ روش چلی آ رہی ہے کہ انہوں نے اسلام کو ایک تعویذ سمجھ رکھا ہے جسے وہ اپنی اپنی دکانوں کے دروازوں پر لٹکا کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب جنات و شیاطین کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ نظریۂ پاکستان کے الفاظ اٹھتے بیٹھتے دہرائے جاتے ہیں لیکن کسی نے آج تک متعین طور پر نہیں بتایا کہ یہ نظریہ ہے کیا۔ دو قومی نظریہ جو اسلام کی ایک بنیادی حقیقت ہے اور جو مطالبۂ پاکستان کی مستحکم دلیل تھی، اسے اب قائد اعظم کا ایک وکیلانہ حربہ قرار دیکر، اسکا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے سامنے دو گروہ آتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو مخلوط انتخاب کے حامی ہیں اور دوسرے وہ جو جداگانہ انتخاب چاہتے ہیں۔ جداگانہ انتخاب کے حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ پر ہے اور دو قومی نظریہ کا فطری تقاضا جداگانہ انتخاب ہے۔ مخلوط انتخاب کے حامی یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا دعویٰ جمہوریت کا ہے اور جداگانہ انتخاب جمہوریت کے منافی ہے۔ یہ ہیں ان دونوں کے دعاوی اور انکے حق میں دلائل۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نہ تو انہیں جمہوریت سے ایسا عشق ہے نہ انہیں دو قومی نظریہ سے کوئی محبت۔ دونوں اس سوال کو اپنے اپنے مفاد کی خاطر بطور سیاسی حربہ استعمال کر رہے ہیں۔

دو قومی نظریہ

جنہیں انتخابات میں غیر مسلموں سے ووٹ ملنے کی توقع ہے وہ مخلوط انتخابات کیلئے چیخ رہے ہیں۔ جنہیں اُن سے ووٹ ملنے کی امید نہیں وہ دو قومی نظریہ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ نکتہ ذرا غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔ دو قومی نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں قومیت کا مدار دین کا اشتراک ہے نہ کہ وطن کی یکجائیگت۔ اسلئے کسی ملک میں بسنے والے مسلمان اور غیر مسلم ایک قوم کے افراد قرار نہیں پا سکتے۔ اس اصول کی بنا پر پاکستانی قوم صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم اس قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔ دعویٰ تو ہمارا یہ ہے لیکن عملاً ہم یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہماری نیشنل اسمبلی کے ممبر ہو سکتے ہیں البتہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر اسمبلی میں داخل ہونا چاہیئے اور غیر مسلموں کو غیر مسلموں کے ووٹ سے۔ یعنی ہم اسمبلی میں داخل ہونے کیلئے دو الگ الگ دروازے بنا دیتے ہیں لیکن جب یہ دو گروہ ان الگ الگ دروازوں سے داخل ہو جائیں تو اسمبلی ہال میں بیٹھکر دونوں ایک ہی قوم کے افراد قرار پا جاتے ہیں۔ وہاں غیر مسلموں کو بعینہٖ مسلمانوں جیسے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ وہاں جتنے مسائل پیش ہونگے ان میں غیر مسلم برابر کا حصہ لینگے حتیٰ کہ اسلامی آئین اور قوانین وضع کرنے میں بھی غیر مسلموں کو رائے دہندگی کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ بعض معاملات کا آخری فیصلہ انہی کی آراء کے وزن سے ہو۔ یہ تو ہوگی ان غیر مسلموں کی پوزیشن۔ لیکن اسکے باوجود کہا یہ جائیگا کہ ہم دو قومی نظریہ پر قائم ہیں کیونکہ غیر مسلم جداگانہ دروازے سے ہال میں داخل ہوتے ہیں۔ آپنے غور کیا عزیزان من! کہ یہ جداگانہ انتخاب کتنا بڑا فریب ہے جو قوم کو یہ ثابت کرنے کیلئے دیا جا رہا ہے کہ ہم دو قومی نظریہ کے حامی ہیں۔ یاد رکھیئے دو قومی نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان میں صرف ایک قوم بستی ہے جو خالصتاً مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اور غیر مسلم نہ پاکستانی قوم کے افراد ہیں نہ کسی ایسے معاملہ میں دخل دے سکتے ہیں جنہیں قومی (نیشنل) کہا جائے۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلم شریک حکومت ہو نہیں سکتے۔ یہ ہے دو قومی نظریہ کا مفہوم و مقصود۔ اگر آپ دل سے دو قومی نظریہ کے قائل ہیں تو پھر جداگانہ یا مخلوط انتخاب تو ایک طرف سرے سے غیر مسلموں کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ مسلمانوں کی قومی اسمبلی کے ارکان بن ہی نہیں سکتے۔ بنا بریں دو قومی نظریہ کی حمایت کے مدعی حضرات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر اس نظریہ کو اس کے آخری منطقی نتیجہ تک لیجایا جائے تو پھر یہ سمجھا جا سکیگا کہ آپ اس نظریہ کے حامی ہیں اور اگر آپ صرف جداگانہ انتخاب تک جا کر رک جاتے ہیں تو یہ دو قومی نظریہ نہیں۔ اس صورت میں آپ اور مخلوط انتخاب کے حامی حضرات ایک ہی سکہ کے دو رخ ثابت ہونگے۔ آپ کیلئے ضروری ہے کہ آپ اس باب میں یکسو ہوں اور یکسوئی یہی ہے کہ ـــ یا سراپا نار بن جا یا نو پیدا نہ کر۔ ورنہ ـــ منکری بودن و ہمرنگ مستان زیستن کا مسلک تو کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہی جمہوریت، سو مغربی انداز جمہوریت بھی اسی طرح خلافِ اسلام ہے جس طرح متحدہ قومیت کا نظریہ۔ مغربی جمہوریت میں اقتدار کا سرچشمہ عوام کو قرار دیا

جمہوریت

جاتا ہے۔ اور حق و باطل، صحیح اور غلط، جائز اور ناجائز کا فیصلہ کثرتِ رائے سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں اصول اسلام کی ضد ہیں۔ اسلام میں اقتدار کا سرچشمہ خدا کی کتاب ہے اور وہی غلط اور صحیح اور حق اور باطل کا معیارِ مطلق۔ اگر کسی معاملہ میں، ایک طرف تو ایک طرف سو کے سو ووٹ بھی ایک طرف ہوں اور خدا کی کتاب کا فیصلہ اسکے خلاف تو اسلامی مملکت میں فیصلہ وہی واجب التسلیم اور قابلِ عمل ہو گا جو خدا کی کتاب دے گی نہ کہ وہ جس کے حق میں اکثریت ہو گی۔ ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم دعویٰ تو کرتے ہیں مملکت کو اسلامی بنانے کا، لیکن اپنے سامنے نظام رکھتے ہیں مغربی سیاست کا۔ جب کوئی اسلامی اصول، مغربی نظامِ سیاست سے ٹکراتا ہے تو یا تو ہم کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی اصول کو کسی نہ کسی طرح مغربی نظام کے مطابق ڈھال لیں، اور اگر ایسا ہونا ممکن نہ ہو، تو پھر اسلامی اصول کو ناممکن العمل قرار دیکر اس سے دستبردار ہو جاتے ہیں، اور دلیل اس کے لئے یہ دیتے ہیں کہ یہ اصول آج سے چودہ سو سال پہلے کے زمانہ میں تو ممکن العمل تھے لیکن اب زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے اور اسکے تقاضے مختلف ہو چکے ہیں۔ اسلئے اب یہ اصول چل نہیں سکتے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے، یہ سب اشکال اس غلط فہمی کا نتیجہ ہیں جس کی رو سے ہم نے مغرب کے انداز و نظامِ سیاست کو معیار قرار دے رکھا ہے۔ اگر ہم معیار خدا کے متعین کردہ ابدی اصولوں کو قرار دیں، تو پھر ہمیں ایسا نظام وضع اور اختیار کرنا ہو گا جو ان معیاروں پر پورا اترے اور اسلام کے کلی تقاضوں کو پورا کر سکے، خواہ یہ نظام دنیا جہان سے نرالا ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام اور نظریہ پاکستان کے ساتھ یہ تماشا تو اربابِ سیاست نے کیا، لیکن انہیں سب سے زیادہ نقصان ان اعیانِ مذہب نے پہنچایا جو اسلامی نظام کے علمبردار بنکر میدانِ سیاست میں آئے۔ انہوں نے اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا اور آج ہماری نئی نسل جو اسلام سے اسقدر برگشتہ

اربابِ مذہب

اور متنفر ہو رہی ہے تو یہ سب ان حضرات کی نوازشہائے بیجا اور جفائے وفانما کا نتیجہ ہے۔ آپ ان حضرات کی تئیس سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالئے۔ آپ دیکھئے کہ ان کا اسلام، انکی مصلحتوں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ آج ایک بات عین مطابقِ اسلام قرار دیجا رہی ہے، اور کل وہی خلافِ اسلام ٹھہرا دیجاتی ہے۔ اس باب میں کچھ زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں۔ اگر صرف ایک طلوعِ اسلام کے فائل کی ورق گردانی کر لی جائے، تو ان کے تضادات کی اچھی خاصی طویل اور نہایت دلچسپ فہرست مرتب ہو جائیگی۔ مثال کے طور پر اس دو قومی نظریہ کو لیجئے۔ ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ دو قومی نظریہ کا تصور (ہندوستان میں) پہلے پہل ان کی جماعت کے امیر سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے پیش کیا تھا اور یہ اسی کا صدقہ تھا جو پاکستان وجود میں آگیا۔ مودودی صاحب نے جب یہ نظریہ پیش کیا تھا تو ایک غیر مسلم کے سوال کے جواب میں کہ اسلامی حکومت کی پارلیمان میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا ہو گی۔ انہوں نے کہا تھا کہ

> اس مجلس میں غیر مسلموں (اہل ذمہ) کو رکنیت یا رائے دہندگی کا حق نہیں ملیگا۔ (اسلامی ریاست ۱۹۶۲ء ایڈیشن ص ۲۵)

یہ اس زمانے کا اسلام تھا۔ اب انہوں نے مخلوط انتخاب کے مقابلہ میں جداگانہ انتخاب کا مطالبہ تو کیا ہے لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ مجالس آئین و قوانین ساز میں غیر مسلموں کی پوزیشن کیا ہو گی تو آپ نے کہا کہ

> یہ دراصل ایسے ذمی نہیں جو ابتدائے اسلام میں ہوا کرتے تھے یعنی وہ غیر مسلم جو جنگ سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کی حکمرانی قبول کرتے تھے۔ یہ لوگ ایک سیاسی نظام کے تحت ذمی ہوتے ہیں، اسلئے اگر وہ قومی اسمبلی میں آتے ہیں تو ہمیں یہ صورتِ حال قبول کرنی پڑیگی۔ (جماعت اسلامی کا منشور)

یعنی اب وہی دو قومی نظریہ سمٹ سمٹا کر صرف جداگانہ انتخاب کی حد تک آگیا ہے۔ اور جداگانہ انتخاب کے سلسلہ میں مفتی محمود صاحب نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ اس قسم کے فرسودہ اور پامال مسائل قطعاً نہیں اٹھانے چاہئیں۔ (مساوات ۱۷ اپریل ۱۹۷۱ء) آپ کو غالباً علم ہو گا کہ مفتی محمود صاحب مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے شاگردوں میں سے ہیں، اور مولانا مدنی وہ بزرگوار ہیں جن کے نظریۂ متحدہ قومیت کو اسلام کے خلاف محاذ قرار دیتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ،

> عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں نے ابھی ابھی کہا تھا کہ ہماری نوجوان نسل کو دین سے برگشتہ کرنے میں مودودی صاحب کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ اس سلسلہ میں میرے پاس اکثر نوجوان طالب علم یا خود آتے ہیں یا مجھے خط لکھتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے ایک خط بطور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو ایک سلجھے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوان کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے۔

ایک نوجوان کا خط

"آپ ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ اسلام نے اپنے دورِ اول میں جس قسم کا معاشرہ قائم کر کے دکھایا تھا وہ مثالی معاشرہ تھا اور نوعِ انسانی جن مشکلات میں گزر رہی ہے، ان کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ پھر سے اسی قسم کا معاشرہ قائم کیا جائے۔ لیکن معاف فرمایئے اس معاشرے کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس سے اس کا مثالی ہونا تو ایک طرف، وہ موجودہ معاشرہ سے مختلف دکھائی نہیں دیتا۔ اس باب میں میں نہ تو سنی سنائی باتوں سے متاثر ہوں اور نہ ہی یورپ کے متعصب مصنفوں کے خیالات کو تائید میں پیش کرنا چاہتا ہوں میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کی بنیاد اس دور کا وہ نقشہ ہے جسے مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے، اور مودودی صاحب کو نہ متعصب مغربی مصنف کہا جا سکتا ہے اور نہ غیر ذمہ دار اہلِ قلم۔ ظاہر ہے کہ دورِ اول کے مثالی معاشرہ میں رسول اللہ کو سرِ فہرست رکھا جائیگا۔ آپ کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے اس زمانے میں جب سلطنت حاصل نہیں ہوئی تھی انسانی مساوات کا اصول پیش فرمایا لیکن جب حکومت مل گئی تو آپ نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ آپ کے خاندان قریش ہی میں محدود رہیگی۔ پھر انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اپنے دشمنوں کو دھوکے سے قتل کرا دیا کرتے تھے چنانچہ جب آپ نے ایک یہودی کو قتل کرنے کیلئے اپنے صحابہؓ کو متعین کیا تو انہیں اجازت دی کہ وہ اس مقصد کے لئے جھوٹ بھی بول سکتے ہیں! پرویز صاحب! میرے مسلمان ہونے کے متعلق مولوی صاحبان جو فتویٰ بھی دینا چاہیں دیدیں لیکن میرے دل میں پیغمبرِ اسلام کا جو احترام ہے اسکی وجہ سے میں ان واقعات کے سلسلہ میں ذرا سی لب کشائی بھی انتہائی گستاخی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس سے اس دور کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کی طرف سے تو آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں۔

رسول اللہ کے بعد خلافتِ راشدہ کا زمانہ سامنے آتا ہے اور یہ وہ دور ہے جس کے متعلق خود مودودی صاحب بھی کہتے ہیں کہ پاکستان میں اسی کی مثل حکومت قائم کی جائیگی۔ خلفائے راشدین میں تیسرے نمبر پر حضرت عثمانؓ ہیں۔ ان کے متعلق مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں جو کچھ لکھا ہے، معاف فرمایئے مجھے تو اس میں اور موجودہ زمانے کی سیاست میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ آپ نے تو اس کتاب کو پڑھا ہوگا۔ لیکن میں اسکے چند ایک اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مودودی صاحب حضرت عثمانؓ کے آغازِ عہد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

> اب ہم اختصار کے ساتھ ان مراحل کا جائزہ لینگے جن سے گزرتے ہوئے یہ خلافت آخرکار ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور یہ بتائینگے کہ اس تغیر نے مسلمانوں کی ریاست کو اسلام کے اصولِ حکمرانی سے کس قدر ہٹا دیا اور اس کے کیا اثرات مسلمانوں کی زندگی پر مرتب ہوئے۔ اس تغیر کا آغاز ٹھیک اس مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا۔

اسکے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ یہ تھا کہ ان کا جانشین اقربا پروری کی پالیسی اختیار نہ کرلے۔ لیکن (اب مودودی صاحب کے الفاظ سنیئے)

> جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے۔

اسکے بعد مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کے ان رشتہ داروں کی تفصیل گنائی ہے جنہیں انہوں نے بڑے بڑے عہدے عطا کئے تھے۔ صرف عہدے ہی عطا نہیں کئے، انہوں نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے چچا زاد بھائی مروان کو بخش دیا جنہیں بڑے بڑے عہدے دیئے" ان میں ان کے بھائی ولید بن عقبہ بھی تھے۔ ان کے کیرکٹر کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے انہیں ایک قبیلہ سے مالِ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تو وہ ڈر گئے اور انکے پاس گئے ہی نہیں اور رسول اللہ سے آکر رپورٹ کردی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے مارنے پر تل گئے تھے حضورؐ نے انکے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کردی اور قریب تھا کہ بہت بڑا حادثہ رونما ہو جاتا کہ اس قبیلے کے لوگوں کو پتہ

پتہ چل گیا۔ اور انہوں نے رسول اللہ سے آکر کہا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں۔ ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی ہم سے آکر زکوٰۃ وصول کرے۔

جب ان حضرت کو حضرت عثمانؓ نے کوفے کا گورنر مقرر کیا تو (مودودی صاحب کے الفاظ میں)

> وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں حتیٰ کہ انہوں نے ایک روز صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا کہ کیا اور پڑھاؤں۔

خلیفۃ المسلمین کا مقرر کردہ، ایک صوبے کا گورنر، رسول اللہ کا صحابی اور عالت یہ کہ شراب کے نشہ میں نماز کی امامت کرا رہے ہیں؟ کیا فرماتے ہیں آپ بیچ اس باب میں!

مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن سعد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مدینہ آئے۔ رسول اللہ نے انہیں کاتب وحی مقرر کر لیا پھر وہ مرتد ہو کر مکہ چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی پوزیشن (کاتب وحی) سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حضورؐ کی رسالت اور قرآن سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلا دیں۔ مکہ فتح ہونے پر حضرت عثمانؓ انہیں عفو تقصیر کیلئے رسول اللہ کے پاس لے گئے۔ وہاں کیا ہوا یہ بھی مودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔

> حضورؐ خاموش رہے حتیٰ کہ تین مرتبہ انکی درخواست پر خاموش رہنے کے بعد آپؐ نے ان سے بیعت لے لی پھر صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں کوئی بھلا آدمی نہ تھا کہ جب میں بیعت نہیں لے رہا تھا تو وہ اٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔ عرض کیا کہ ہم آپکے اشارے کے انتظار میں رہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نبی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارے کرے۔

میں اس پر کوئی تنقید کرنا گستاخی سمجھتا ہوں۔

حضرت معاویہؓ کا شمار خلفائے راشدین میں نہیں ہوتا لیکن بہرحال وہ خود بھی ایک صحابی تھے اور انکے گرد و پیش بھی صحابہؓ کا گروہ موجود تھا۔ مودودی صاحب نے انکے دور کا جو نقشہ پیش کیا ہے اسکے متعلق کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ بس ایک اقتباس پر اکتفا کروں گا۔ ایک صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز انکے سامنے رکھی تو دس آدمیوں کو دس دس ہزار درہم بطور رشوت دیکر آمادہ کیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کے پاس جا کر اس تجویز کی تائید کریں۔ حضرت مغیرہ کا بیٹا اس وفد کی قیادت کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تیس ہزار درہم میں۔ حضرت معاویہ نے کہا تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے۔ یہ کیریکٹر پیش کیا جا رہا ہے رسول اللہ کے صحابہ کا! اسکے بعد یزید کا زمانہ آتا ہے۔ اس زمانے میں صحابہ بھی کافی تعداد میں موجود تھے اور بقایا آبادی تابعین پر مشتمل تھی جنہیں بڑی عزت و اکرام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ جب یزید کی فوجوں نے مدینہ فتح کیا تو

> یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے فوج کو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو کچھ کوئی چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی۔ شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا۔۔۔ غضب یہ کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی اور کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں۔

یہ ہے پرویز صاحب! نقشہ اُس صدر اول کا جس میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اسلامی نظام اپنی اصل شکل میں قائم تھا اور یہ نتیجہ بتایا جاتا ہے اس تعلیم و تربیت کا جو اسلام سے ان حضرات کو حاصل ہوئی تھی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اسی کو مثالی مملکت قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ اسی اسلام کی احیاء کو اپنا مقصود اور پاکستان کا نصب العین ٹھہراتے ہیں جس نے اس کردار کے لوگ پیدا کئے تھے؟ اگر میری کوئی بات آپ پر تلخ گزرے تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں لیکن اس کا ذمہ دار میں نہیں۔ میں نے تو اس دور کے ایک بہت بڑے عالم اور مفکر کے الفاظ دہرائے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ اسلامی نظام قائم کرنے کے دعویدار ہیں۔ سوچئے اور ذرا سوچ کر مجھے جواب دیجئے۔"

کہیئے عزیزانِ من! کہ ہماری موجودہ نسل کو اسلام سے متنفر اور سرکش بنانے کیلئے اس سے زیادہ کچھ اور کرنے کی ضرورت تھی؟ یہ باتیں ملتی ہیں! اسلام کو دنیا میں رسوا اور بدنام کرنے اور اس دعویٰ کے خلاف کہ پاکستان اسلامی مملکت بنانے کیلئے حاصل کیا گیا تھا، ہمارے نوجوانوں کے دل میں سرکشی اور بغاوت کے جذبات بیدار کرنے کیلئے، دنیا بھر کی دشمن اسلام اور عدوِ پاکستان قوتوں نے وہ کچھ نہیں کیا جو مودودی صاحب کی اس ایک کتاب

خلافت و ملوکیت — نے کیا ہے۔ اس کتاب کو ملک میں بہت پھیلایا گیا اور جس جس نوجوان نے اسے پڑھا یا سنا اُس کے دل میں اسلام کے خلاف شدید ترین نفرت پیدا ہو گئی۔ آف! یہ

آخرش بن گیا یہ حرم بت کدہ ؛ کام کر ہی گئیں شیخ کی باتیں

میں نے عزیزانِ من! اس قصہ کو اتنا طول اس لئے دیا ہے کہ یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجائے کہ اپنی تاریخ (بالخصوص صدرِ اول کی تاریخ) کے متعلق طلوعِ اسلام نے جو موقف برسہا برس پہلے اختیار کیا تھا وہ کس قدر مبنی بر حقیقت اور اسلام کے احیا کیلئے لاینفک تھا۔ اس موقف سے آپ احباب تو اچھی طرح واقف ہیں لیکن ان حضرات کیلئے جو اس سے واقف نہ ہوں میں مختصر الفاظ میں دہرا دوں کہ حضور رسالتمآب کی ذاتِ اقدس و اعظم کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں جس ہستی کے متعلق خود خالقِ کائنات کا ارشاد ہے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (۶۸/۴) تو مکارمِ اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہے، اُن کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کوئی انتہائی شوریدہ بخت دریدہ دہن ہی کر سکتا ہے۔ باقی رہے صحابہ کبارؓ سو ان کے متعلق خود قرآن کریم کی شہادت موجود ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (۸/۴) وہ پکے اور سچے مومن تھے۔ لہٰذا ان کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرنا جو مومن کے مقام سے گری ہوئی ہو قرآنی شہادت کو جھٹلانا ہے۔ قرآن خدا کی کتاب ہے اور تاریخ انسانوں کا مرتب کردہ تذکرہ، اور وہ بھی صدرِ اول سے دو تین سو سال بعد کا مرتب کردہ۔ سو اگر تاریخ کے کسی بیان اور قرآن کی شہادت میں کہیں ٹکراؤ ہو تو ایک مسلمان بہر حال قرآن کی شہادت کو تاریخ کے بیان پر ترجیح دیگا۔ لہٰذا جو کچھ مودودی صاحب یا کسی اور نے ذاتِ رسالتمآبؐ یا صحابہ کبارؓ کے خلاف تاریخ کے حوالوں سے لکھا ہے وہ ٹھکرا دینے کے لائق ہے۔ مسلمان کا ایمان قرآن پر ہوتا ہے ——— تاریخ پر نہیں۔ ہم صدرِ اول کی اسی تاریخ کو درخورِ اعتنا سمجھتے ہیں جس کی شہادت قرآن کے اوراق دیتے ہوں، اور اسی نظام کے قیام کے داعی ہیں۔

وہ خط ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نوجوان نے لکھا ہے: "یہ تو رہا قصۂ ماضی۔ اب پاکستان کے مستقبل کو سامنے لائیے۔ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس مملکت کو اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ اس میں اسلامی آئین و قوانین نافذ ہوں۔ لیکن عملاً حالت یہ ہے کہ آج تک کوئی یہ بھی نہیں بتا سکا کہ اسلام کہتے کسے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں بتاتا ہوں کہ اسلام کسے کہتے ہیں لیکن (معاف فرمائیے) آپ کے کہنے کو مانتا کون ہے۔ آپ کو تو یہ سب ملکر کافر قرار دے چکے ہیں۔ لہٰذا کافروں کے بتائے ہوئے اسلام کو اسلام کون مانیگا۔ اسلام تو وہی سکہ بند سمجھا جائیگا جسے یہ پکے اور سچے مومن اسلام کہیں۔ اور یہ مومن نہ آج تک متفقہ طور پر بتا سکے ہیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں نہ قیامت تک بتا سکیں گے۔ جہاں تک دستور کے اسلامی ہونے کا تعلق ہے، ان کے نزدیک یہ تقاضا اس طرح پورا ہو جاتا ہے کہ دستور میں یہ لکھ دیا جائے کہ مملکت کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ اور "کتاب و سنت" کی عملی تعبیر یہ ہے کہ خود مودودی صاحب نے، قوم کو بیس بائیس سال چکر دینے کے بعد اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ کتاب و سنت کی رو سے کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جسے مسلمانوں کے تمام فرقے اسلامی تسلیم کر لیں اور اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ جب یہ ممکن نہیں تو پھر ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔ اول تو یہ وہ فقہ ہے جسے یہ بزرگوار خود "منجمد شاستر" کہہ چکے ہیں۔ اور اگر اس سے بھی قطع نظر کر لیا جائے، تو سوال یہ ہے کہ کیا ملک کے غیر حنفی فرقے اس فقہ پر عمل پیرا ہونے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ اسے آپ نافذ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ یہاں کس قسم کی خانہ جنگی ہوتی ہے۔ جو فرقے نماز میں ہاتھ باندھنے کے مقام کے اختلاف پر ایک دوسرے کا سر پھوڑ دیتے ہیں، ان سے کسی ایک فرقے کی فقہ کو ملک کے قانون کے طور پر منوانے کا نتیجہ اگر خانہ جنگی نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

خط لمبا ہو گیا لیکن اس کے بغیر چارہ ہی نہیں تھا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں ——— اور اس سوال کو صرف میرا سوال نہ سمجھئے اسے قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ کی بیشتر تعداد کا سوال سمجھئے۔ کہ جس اسلام کے اُس دور کی جسے اس کی عملی تعبیر کا بے مثال دور کہا جاتا ہے، تاریخ وہ ہو جس کی چند ایک جھلکیاں میں نے مودودی صاحب کی کتاب سے پیش کی ہیں اور جس کے مطابق دستور اور قانون سازی کی کیفیت یہ ہو، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ دنیا میں بہترین نظام پیش کریگا، اگر دوسروں کو فریب دینا نہیں تو خود فریب کھانا ضرور ہے۔"

عزیزانِ من! یہ ہے وہ مقام جس تک 'اسلام کے سب سے بڑے ہمدرد اور پاسبان' ہماری نئی نسل کو لے آئے ہیں۔ غالب نے انہی کے متعلق کہا تھا کہ

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغِ جگر ہدیہ ؛ مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا!

اور اسی سے زمیلانِ من! آپ نے ایک بار پھر اندازہ لگا لیا ہوگا کہ جو موقف ہم نے اختیار کیا وہ کس قدر صحیح، اور جو فکر ہم نے پیش کی

وہ کسی اسلام کی بھی تعبیر تھی۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ احادیث اور فقہ مسلمانوں کے ہر فرقے کی الگ الگ ہے، لہٰذا یہ فرقے ان میں سے کسی ایک پر بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ لیکن قرآن کریم سب کے نزدیک متفق علیہ ہے، لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ قرآن کو اپنے آئین اور قانون کی بنیاد قرار دیں۔ قرآن مجید نے بجز چند احکام دین کے اصول و حدود مقرر کئے ہیں اور اس بات کو اسلامی مملکت پر چھوڑا ہے کہ وہ باہمی مشاورت سے ان حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ قرآنی اصول و اقدار ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے لیکن انکی روشنی میں مرتب کردہ قوانین میں عند الضرورت تبدیلی ہوتی رہیگی۔ اسی کا نام اسلامی نظامِ مملکت ہے۔ اسی نہج سے ایک ایسا آئین اور ضابطہ قوانین مرتب ہو سکیگا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ بھی ہو اور ہر زمانے میں ممکن العمل بھی۔ یہ ہے اسلامی نظام کا وہ تصور جسے ہم گزشتہ تیس پینتیس سال سے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مفاد پرست طبقہ کیطرف سے اس تصور کی سخت مخالفت ہوئی لیکن آہستہ آہستہ وہ خود یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ انکے پیش کردہ تصور کی رو سے فی الواقعہ کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اس طرح ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ حقیقت وہی ہے جسے ہم نے پیش کیا تھا، لیکن اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ یہ صدقہ ہے اس کتابِ عظیم کی نورانی کرنوں کا جو نگاہوں کو اس قسم کی بصیرت عطا کر دیتی ہے کہ انسان نہ صرف غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے بلکہ وہ ہواؤں کے رخ سے آنے والے موسموں کا بھی اندازہ کر لیتا ہے۔ اس مقام پر بے ساختہ علامہ اقبال کی وہ قرآنی فراست یاد آ گئی۔ جس کا نتیجہ انہوں نے یہ بتایا تھا کہ

علامہ اقبالؒ کی قرآنی بصیرت

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

ان کی اسی قرآنی فکر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے آج سے تیس چالیس برس پہلے ہی نہیں، بچاس ساٹھ سال پہلے جو کچھ کہا تھا عالمی سیاست کے تغیرات اس کی حرف بحرف تصدیق کئے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اس صدی کے ابتدا میں اہل یورپ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

آپ دیکھئے کہ آج اس تہذیب کی دھجیاں کس طرح فضائے عالم میں اڑ رہی ہیں۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے دوسری جگہ کہا تھا کہ

پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سست بنیاد بھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے!

اور اس کی مزید وضاحت کے طور پر کہا تھا کہ

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی؟
...

فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی

الٹ جائینگی تدبیریں، بدل جائینگی تقدیریں
حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

وہ اس انقلاب کو اس قدر نکھرا اور ابھرا ہوا اپنے سامنے دیکھتے تھے کہ پورے حتم و یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

انکا کہنا یہ تھا کہ پہلے ایشیا کے غلبہ و تسلط کا دور تھا پھر ایک انقلاب آیا تو اسکی جگہ یورپ نے لے لی۔ اب پھر یہ نظر آ رہا ہے کہ

لذتِ سیرِ دگر چشم تماشا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

اور اس پلٹے میں یہ ہو گا کہ دورِ قیادت یورپ سے پھر ایشیا کیطرف منتقل ہو جائیگا۔ دیکھئے انہوں نے بالِ جبریل میں کس قدر واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ

اور اس سحر ٹوٹنے کی آواز صدائے بازگشت تو ہم نے ابھی ابھی اقوامِ متحدہ کے ایوان سے سنی ہے جہاں چین کی نمائندگی کے سلسلے میں امریکہ اور اسکے حواریوں کو ایسی استخواں شکن شکست ہوئی ہے جس کی مثال کم ملیگی۔ قرآن کے اس دیدہ ور نے کہا یہ تھا کہ یہ سب تغیرات علامات ہیں اس عظیم انقلاب کی جس کی رو سے نظامِ سرمایہ داری کا دنیا میں خاتمہ ہو جائے گا۔ دیکھئے وہ کس طرح جھوم جھوم کر کہتے ہیں کہ:

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

وہ اس انقلاب کو اس لئے خوش آمدید کہتے تھے کہ یہ قرآنی نظام زندگی کے لئے راہ ہموار کرتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ انہوں نے روسی انقلاب کا یہ کہہ کر خیر مقدم کیا تھا کہ اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
جو حرفِ قُلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک

میں نے بھی احباب عزیز! اپنے وقت کے مختلف تغیرات کو جو خوش آئند قرار دیا تو اسی لئے کہ میری قرآنی بصیرت میری راہنمائی اس طرف کر رہی تھی کہ زمانے کا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جسے قرآن کریم نے کاروانِ انسانیت کیلئے مستقر قرار دیا ہے۔

ان تغیرات کا خیر مقدم

ہم ان تغیرات کو اسلامی تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ قرآنی پروگرام کی منزلِ اولین - یعنی حصہ لا - کا تقاضا پورا کرنے میں بڑی حد تک ممد و معاون بنتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اگر یہ تغیرات قرآنی نظام کی رُو سے لائے جاتے تو لا اور الا (تخریب و تعمیر) کا پروگرام ساتھ کے ساتھ رُو بہ عمل ہوتا لیکن چونکہ مسلمانوں نے جو اس کتابِ عظیم کے وارث ہونے کے مدعی ہیں، تغافلِ مجرمانہ برتا اور اپنے خود ساختہ اسلام کو دینِ خداوندی سمجھ کر کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کی عبرتناک تصویر بنے بیٹھے رہے اس لئے گردشِ زمانہ نے اپنا عمل جاری رکھا اور اپنی ضربات پیہم سے ہر اس نظام کو پاش پاش کر دیا جو اس کی راہ میں سد راہ ہو رہا تھا، اسلئے یہ تغیرات لا کی وادی تک محدود رہے۔ میری کوشش یہ رہی ہے کہ انسانی فکر کی راہنمائی قرآن کی متعین کردہ منزلِ الا کی طرف کئے جاؤں تا کہ یہ تخریب بلا تعمیر نہ رہ جائے۔ میں چونکہ اتوار کی صبح کے اپنے خطاب میں جس کا عنوان ہے "اسلامی سوشلزم" اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کرونگا، اس لئے اس وقت انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے بہر حال یہ ہے تحریک طلوع اسلام کا مقصود و مطلوب۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہماری اس سعی و کاوش کی مخالفت ہر رجعت پسند قوت کی طرف سے ہوگی جو وقت کے راستے میں سنگِ گراں بنکر حائل ہے، اس لئے کہ وہ قوتیں اچھی طرح جانتی ہیں کہ ان بھونچال طوفانوں کے مقابلہ میں جو راستے کی رکاوٹوں کے صرف بالائی حصے کو مسمار کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، انکے لئے یہ فکری انقلاب زیادہ خطرناک ہے جو ان کے خود ساختہ مفاد پرستانہ نظام کی بنیاد تک کو اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ ہمارے ہاں کی مذہب پرست جماعتیں ہر اس پارٹی کے ساتھ مفاہمت کے لئے تیار ہو جاتی ہیں جنہیں یہ ایک وقت میں ملحد اور بیدین قرار دیتی ہیں، لیکن آپکی تحریک کی مخالفت میں کبھی کمی نہیں کرتیں۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ کی یہ ٹیکنیک بڑی پرانی چلی آ رہی ہے کہ

قرآن دشمن عناصر

جس نے بھی کبھی قرآنی نظام کا نام لیا، انہوں نے اس کیخلاف اس قدر پراپیگنڈہ کیا کہ اس کا نام 'الحاد اور بیدینی کی علامت' بنکر رہ گیا اور عوام کے دل میں اس کے خلاف اس قدر شدید جذباتِ نفرت و انتقام پیوست ہو گئے کہ اس کا تصور آتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، بلا اس بات کے سمجھے کہ وہ کیا کہتا ہے اور مذہب پرست طبقہ اسکی مخالفت کیوں کرتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ اس طبقہ نے طلوع اسلام کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے اسکے خلاف جھوٹے الزامات اور بے بنیاد بہتانات سے عوام کے دل میں نفرت و عداوت کی ایسی آگ بھڑکائی ہے کہ وہ اسکے متعلق ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتے۔ اور چونکہ اربابِ سیاست و صحافت اور اعیانِ اقتدار و حکومت عوام کی مخالفت سے ڈرتے اور دبتے ہیں اسلئے وہ بھی اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں کہ طلوع اسلام کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ جو کچھ طلوع اسلام کہتا ہے اسے ہر جگہ دہرایا جاتا ہے لیکن طلوع اسلام کا نام لیتے ہوئے ہر ایک ڈرتا ہے۔ یہی ان قرآن دشمن عناصر کا منشا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن کیخلاف نفرت اور عداوت کی یہ آگ نہ بھڑکاتے تو وہ مقاصد مدت ہوئی حاصل ہو گئے ہوتے جن کے لئے مملکت پاکستان وجود میں آئی تھی۔ اور دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ اسلام کس طرح نوعِ انسانی کی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ ہماری

قوم کی بدبختی اور نوعِ انسان کی حرماں نصیبی ہے کہ ان اسلام دشمن عناصر نے طلوعِ اسلام کی قرآنی فکر کو اسقدر ہوا بنا دیا کہ اچھے اچھے مخلص اور سمجھدار لوگ بھی اس سے متفق ہونے کے باوجود، اس کیطرف کسی قسم کی نسبت سے گھبرانے اور کترانے لگ گئے۔ یہ ہوتا ہے پروپیگنڈہ کا اثر۔ ان مخالفینِ نظامِ قرآنی کیطرف سے اسی مخالفت و ہم کا احساس تھا جس کی بنا پر میں ہر اس رہ نوردِ شوق کو جو ہمارا شریکِ کارواں ہونا چاہتا تھا، واضح الفاظ میں کہہ دیتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو، لیکن

زخمِ دل ہو تو چلو، دیدۂ تر ہو تو چلو — تم مرے ساتھ کوئی رختِ سفر ہو تو چلو

ان حالات میں سوچئے، رفیقانِ من! کہ کسقدر خوش نصیب ہیں وہ جو اس کاروانِ رشد و ہدایت کے ہمسفر ہوئے اور راستے کے ہر خطرہ کا مقابلہ کرتے ہوئے برابر ساتھ چلتے گئے اور ساتھ چلے جا رہے ہیں۔ طوبیٰ لہم و حسن مآب۔ اللہ تعالیٰ آپ احباب کے حوصلوں میں برکت اور عزائم میں استقامت عطا فرمائے کہ آج سارے عالمِ اسلام میں پیغامِ قرآنی کے علمبردار آپ کے سوا کوئی نہیں۔ کتنی بڑی ہے یہ سعادت جو مبدأ فیض کی کرم گستری نے آپ کو ارزاں فرمائی ہے۔ اور آپ سے کہیں زیادہ میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں جسے آپ جیسے مخلص، مشفق، غمگسار، رفیقانِ سفر میسر آئے ہیں۔ میں خدائے کائنات کی اس موہبتِ کبریٰ پر جس قدر بھی سجدہ ریز ہوں، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور زندگی کے ہر بلند و طیب مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔

طلوعِ اسلام کالج

احباب کو معلوم ہے کہ ہماری تحریک کی منزل الدین یعنی قرآنی درسگاہ کے قیام کی اسکیم اب توفیقِ ایزدی اپنے آخری مراحل میں پہنچ رہی ہے۔ چونکہ اس مقصد کے لئے کنونیشن کے پروگرام میں ایک خاص نشست مخصوص کر دی گئی ہے، اس لئے اس باب میں مجھے اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بس تھوڑا سا اور توقف — وہ آئی، لے وہ آئی، دلِ ناصبور صبح! فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

علامہ اقبالؒ مدت العمر اس حسین تمنا کو اپنے سینے میں پرورش کرتے رہے کہ

جوانوں کو مری آہِ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

خدایا! آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اور عمر کے آخری حصے میں، یہ آرزو و تڑپ تڑپ کر ان کے لبوں پر آ گئی۔ وہ بصد نالۂ نیم شبی اور فغانِ سحری، بحضورِ رب العزت دامن پھیلا پھیلا کر پکارتے رہے کہ

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز — مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری، آرزوئیں مری — امیدیں مری، جستجوئیں مری

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر!

مرے قافلے میں لٹا دے اسے — لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے!

یہی عمر بھر میری دلسوزیوں اور جگر تابیوں کا بھی عالم رہا۔ یہی میری تمناؤں اور آرزوؤں کی کیفیت رہی ہے میں بھی یہی دعائیں مانگتا رہا کہ — جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے، مرا عشق میری نظر بخش دے۔ علامہ اقبالؒ اپنی ان معصوم تمناؤں کو اپنے سینے میں لیکر چلے گئے۔ لیکن میں جب اپنی دعاؤں کو مستجاب ہونے کے قریب دیکھتا ہوں تو اپنے اندر وہی کیفیت پاتا ہوں جو حضرت زکریاؑ کو بڑھاپے میں، ایک جیتے جاگتے (یحییٰ) پاکیزہ ترین بلند صلاحیتوں کے حامل (صالح) بیٹے کی بشارت سے وجہ ایزادی عمر اور باعث طمانیت قلب ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی بیٹے کے لئے دعا اسی لئے کی تھی کہ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (۱۹/۶) تاکہ وہ اس متاعِ حسنہ کا وارث بنے جو اس مقدس گھرانے میں متوارث چلی آ رہی ہے اور اس طرح وہ خدائی پروگرام سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اور میں بھی اس "ذریۂ طیبہ" کی دعائیں اسی لئے مانگتا رہا کہ میں قرآنی فکر کی اس امانتِ کبریٰ کو جو مبدأ فیض کی کرم گستری سے مجھے عطا ہوئی ہے، انکے سپرد کر جاؤں جو اس کے اہل ہوں۔ عزیزانِ من! کسقدر جنت نگاہ ہے یہ تصور کہ میں ہوں

اور میرے اور مگر قرآن کی اصطلاح میں وِلدانٌ مُخَلَّدُون ہمیشہ جوان رہنے والے تغیر نا آشنا حیاتِ جاوداں کے پیکر، بلند ترین صلاحیتوں کے مالک، فرحاں و شاداں، نونہالانِ ملت، حلقہ زن اور درمیان میں شمعِ قرآنی جن سے ان کا دیدہ و دل منور ہو۔ اس طرح میں اس قندیلِ قرآنی سے ان کی زندگی کی تاریک راتوں کو روشن کرتا رہوں، اور جب دنیا سے جانے لگوں تو اس شمعِ تابندہ کو پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ ان کے سپرد کر جاؤں کہ تَمْشُوْنَ بِہٖ فِی النَّاس (۵۷/۲۸) وہ اس کی کرنوں سے زمانے کی شبِ تاریک کو روشن کرتے جائیں۔ عزیزانِ من! کس قدر کیف انگیز و جاں پرور ہوگی یہ زندگی اور کیسی طمانیت آمیز و رشک آور ہوگی یہ موت۔ ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں!

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیرِ حق یافت — مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

ملک کی افسردہ فضا

آخر میں مجھے، عزیزانِ من! چند الفاظ اس افسردگی اور پژمردگی کے متعلق بھی کہنے ہیں جو اس وقت ملک کی فضا پر ہمہ گیر طور پر چھائی ہوئی ہے۔ ایسی افسردگی و پژمردگی جس کے متعلق غالبؔ نے کبھی کہا تھا کہ

ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی — میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

اس میں شبہ نہیں کہ یہ بدنصیب خطۂ زمین، جس اضطراب و خلفشار سے اب گزر رہا ہے، یاس و ناامیدی کی جو مرگ آفریں تاریکی اس کی فضا کو اس وقت محیط ہے، عدمِ سکون و فقدانِ اطمینان کا جو کرب انگیز عالم اس وقت ہے، قانون شکنی اور جرائم کیشی جس حد تک اب عام ہو رہی ہے، حال جس قدر تاریک اور مستقبل جس قدر تاریک تر نظر آرہا ہے، پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں افسردہ خاطر اور ناامید نہیں ہوں۔ جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، میں روز اول سے کہتا چلا آرہا ہوں کہ مجھے اس خطۂ زمین کے ساتھ فطرت کا کوئی خاص پروگرام وابستہ نظر آتا ہے۔ یہ جس طرح ہمیں حاصل ہوا اس میں بھی فطرت ہی کا ہاتھ کام کر رہا تھا اور اس کے بعد جس طرح یہ ان متعدد زلزلہ انگیز دھچکوں سے محفوظ رہا جن میں سے ہر دھچکا، بڑی سے بڑی مستحکم مملکت کی بنیادوں تک کو ہلا دینے کے لئے کافی تھا، اس میں بھی کچھ ادھر ہی کا اشارہ کارفرما رہا۔ ان مہیب زلزلوں میں سب سے زیادہ پرخطر اور تباہ کن وہ تھا جو اسی سال کے شروع میں مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والا تھا۔ لیکن دستِ قدرت نے جس سے ہمیں بال بال بچا لیا۔ اس سے آپ کی نگاہ اس کشت و خون کی طرف منتقل ہوئی ہوگی جس کا آغاز وہاں مارچ سے ہوا، اور جو کسی نہ کسی شکل میں آج تک جاری ہے۔ لیکن میں اس کشت و خون اور تخریب و فساد کو زلزلہ انگیز خطرہ نہیں سمجھتا۔ وہ خطرہ اور تھا جس سے ہم اس کشت و خون کی وجہ سے بچ گئے۔ آپ غالباً حیران اور متعجب ہوں گے کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ وہ خطرہ کونسا تھا جس سے ہمیں اس کشت و خون نے بچا لیا۔ سنیئے کہ وہ خطرہ کون سا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن جن مذموم عزائم کو اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھا وہ پہلے بھی کچھ ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ وہ اس کے چھ نکات کے نقاب سے چھن چھن کر باہر آرہے تھے لیکن اب وہ بالکل ہی طشت از بام ہوگئے ہیں۔ ساری دنیا کو ان کا علم ہوگیا ہے۔ وہ پہلے پاکستان کے ٹکڑے کر دینا اور اس کے بعد اسے دنیا کے نقشے سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ ان عزائم کو لے کر اس نے انتخابات لڑے۔ اور ان میں ایسی اکثریت حاصل کرلی کہ مشرقی بنگال میں بھی اس کی غیر مشروط اور غیر مخلوط حکومت قائم ہو سکتی تھی اور مرکز میں بھی وہ بلا شرکتِ غیرے اپنی حکومت قائم کر سکتا تھا۔ اگر وہ اطمینان سے اپنی حکومت قائم کر لیتا تو وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر آئین بھی اپنی مرضی کا مرتب کر سکتا تھا اور قوانین بھی ایسے وضع جن سے وہ رفتہ رفتہ مغربی پاکستان کو کمزور تر اور مشرقی پاکستان (یا اس کے اپنے الفاظ میں بنگلہ دیش) کو ہر لحاظ سے مستحکم سے مستحکم تر کئے چلا جاتا۔ چونکہ وہ یہ سب کچھ آئینی اور جمہوری طریق سے کرتا اس لئے کسی شخص کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا تو اسے "بغاوت" قرار دے دیا جاتا، اور چونکہ فوج پر بھی اس کا آئینی کنٹرول ہوتا، اس لئے، عند الضرورت، وہ اس بغاوت کو بزور شمشیر دبا دیتا۔ اس کے اس اقدام پر کوئی باہر کی قوم بھی طعنہ زن نہ ہوتی۔ اور جب وہ اتنی طاقت حاصل کر لیتا تو پھر آئینی طور پر ہندوستان کے ساتھ کنفیڈریشن کا رشتہ قائم کر لیتا یا اس کی سازش سے اس کے ساتھ جنگ چھیڑ کر اس میں شکست کھا جاتا، اور یوں اس مملکت کے جداگانہ وجود کو ختم کر دیتا۔ وہ ایسا کچھ نہایت آسانی سے کر سکتا تھا لیکن عین اس وقت جب تمام ذمہ دارانِ قوم اس کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ اپنی آئینی حکومت قائم کرلے، فطرت کا جنون پرور ہاتھ نہایت غیر محسوس طریق سے اٹھا اور اس نے قوت کے نشے میں مدہوش ہو کر آئینی طریق کے بجائے مسلح بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس سے کشت و خون اور قتل و غارتگری تو بیشک برپا ہوئی کہ فطرت کی تعزیریں قوموں کے اجتماعی جرائم کا کفارہ بڑا خطیر اور گراں طلب کیا کرتی ہیں، لیکن یہ خطۂ زمین اس سازش سے بچ گیا جس کے نتیجے میں اسے خاموشی ہی خاموشی میں ایک دن بھارت کا حصہ بن جانا تھا۔ یہ تھا عزیزانِ من! وہ مہیب خطرہ جس سے دستِ فطرت نے ہمیں ایک بار پھر بچا لیا۔ حالانکہ ہم نے اپنے آپ کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ سوچئے کہ ہم کس طرح مجیب کی منتیں کرتے اور اس کے پاؤں پڑتے تھے کہ وہ اپنی حکومت قائم کرلے! کیا ہماری یہ کوششیں اس مملکت کو خود اپنے ہاتھوں ہندو کے حوالے کر دینے کے لئے نہیں تھیں اور کیا اس خطرہ سے ہمیں فطرت کے دستِ تصرف کے سوا کوئی اور بھی محفوظ رکھ سکتا تھا۔ کیا دنیا کا زیرک سے زیرک سیاست دان یہ بتا سکتا ہے کہ مجیب کی بھی

میں ایسی کھلی ہوئی بات کیوں نہ آسکی اور اس کی عقل و ہوش پر اس قدر دبیز پردے کیوں پڑ گئے! انسانی منطق اس کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس کا جواب خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل ہی دے سکتا ہے جو کہتا ہے کہ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (۳۵/۴۳) تخریبی چالیں چلنے والا آخر الامر اپنے جال میں خود آپ پھنس جاتا ہے اور جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ کتنا ہی ہوشیار اور چالاک کیوں نہ ہو فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ (۴۶/۲۶)۔ اس کی عقل و خرد اور ہوش و حواس کچھ کام نہیں دیتے۔ ان پر پردے پڑ جاتے ہیں مجیب کی عقل و ہوش کو تعزیرِ فطرت نے مصلوب کر دیا اور پاکستان اس کی اس نہایت خطرناک سازش سے بچ گیا۔

یہ ہیں عزیزانِ من! وہ محیر العقول واقعات جن کی بنا پر میں کہا کرتا ہوں کہ فطرت کا کوئی پروگرام اس خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی لئے ہماری مجرمانہ تغافل شعاریوں اور تخریبی کوششوں کے علی الرغم، یہ بار بار محفوظ رہ رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فطرت کا یہ فیصلہ بھی میرے سامنے ہے کہ جب کوئی قوم ان (CHANCES) سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنی روش میں تبدیلی پیدا نہ کرے، تو يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (۴۷/۳۸) وہ اس کی جگہ کوئی دوسری قوم لے آیا کرتا ہے جو اس جیسی نہیں ہوتی۔ یہی وہ اصولِ خداوندی ہے جس سے مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ ہمیں اس قسم کے مہلت کے وقفے بار بار نہیں دیگا۔

باقی رہی انڈیا کی طرف سے جنگ کی دھمکی، تو مجھے یقین ہے کہ جس طرح قوم نے اس کی یورش کا مقابلہ ۱۹۶۵ء میں کیا تھا، اگر اب وقت آگیا تو قوم اس سے بھی زیادہ استقامتِ عزم اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیگی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے یعنی ان اہلِ پاکستان کا جو اس خطۂ زمین کو قرآنی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس خطۂ زمین کی حفاظت 'ایک دینی فریضہ' ہے جس کے لئے جان اور مال کی قربانی کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتی کہ ان کے لئے، دین کا تحفظ مقصود ہے، جان و مال کی حفاظت مقصود نہیں۔ یہ صرف ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

پاکستان کی اصلی حفاظت

لیکن عزیزانِ من! جنگ جیت جانے سے بھی پاکستان کے تحفظ کا مسئلہ حل نہیں ہو جائیگا۔ جنگ جیت جانے سے اس کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ہو سکتی ہے لیکن اس کی بقا کا راز تو اس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت میں ہے۔ لیکن یہاں مشکل یہ ہے کہ یہ قوم ابھی تک ان نظریاتی سرحدوں کا تعین ہی نہیں کر سکی اس لئے ان کے تحفظ کا سوال کہاں سے پیدا ہوگا۔ ان کا تعین کچھ مشکل نہیں لیکن اس سے دانستہ اغماض برتا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب یہ حدیں متعین ہو جائینگی — یعنی نظریۂ پاکستان کا مفہوم متعین ہو جائے گا تو قوم کو ان حدود کے اندر رہنا پڑیگا۔ اور یہی چیز قوم کے مفاد پرست گروہوں پر سخت گراں گزرتی ہے —

نظریۂ پاکستان

قوم کے اربابِ سیاست پر بھی اور عمائدِ مذہب پر بھی۔ یہ ہے وہ حقیقی علت جس کی وجہ سے نظریۂ پاکستان کا مفہوم متعین نہیں کیا جاتا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

بیاں میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے   ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!

نظریۂ پاکستان قرآن کے دو لفظوں میں یہ ہے کہ

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ (۵/۴۸)۔ حکومت خدا کی کتاب کے مطابق قائم کرو۔

بس یہ ہے نظریۂ پاکستان جس کی تشریح قائد اعظمؒ نے ان جامع و مانع الفاظ میں فرمائی تھی جسے ہم سینکڑوں بار دہرا چکے ہیں اور ہزاروں بار دہراتے جائینگے۔ یعنی یہ الفاظ کہ

> اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں دوسرے الفاظ میں — اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی کا نام ہے۔

یہ ہے نظریۂ پاکستان —— فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ جس کے معنی ہیں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی۔

لیکن یہاں ہر گروہ، ہر پارٹی، ہر فرقہ، ہر حکومت نے اس نظریہ کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی اور اسی سے یہ چاروں طرف سے خطرات کے گرداب میں گھر گیا۔ اب اس کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس نظریہ کو قوم کا نصب العینِ حیات قرار دیا جائے۔

اور ہمارا ہر عملی قدم اسی کی طرف اٹھے۔ میں ملتِ پاکستانیہ کے تمام ذمہ دار حضرات سے واشگاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے — وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

کنونشن کا تحفہ

جیسا کہ آپ احباب کو علم ہے میں کنونشن کی تقریب پر آپ کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کیا کرتا ہوں جب دو سال ادھر میری کتاب "جہانِ فردا" کی اشاعت ہوئی تو میں نے سمجھا کہ معارف القرآن کے جس سلسلۂ زریں کی ابتدا ۱۹۴۰ء میں ہوئی تھی، للہ الحمد کہ بایں زیبائی و رعنائی اس کی تکمیل ہوگئی اور اب میں اپنا سارا وقت تبویب القرآن کی تکمیل کے لئے وقف کر سکوں گا۔ لیکن اس کے بعد جس قدر استفسارات میرے پاس آتے رہے، قدیم اور جدید طبقہ کی جس قدر ذہنی الجھنوں کا میں نے مشاہدہ کیا، قرآنی حقائق کے سمجھنے میں جو دشواریاں انہیں پیش آتی تھیں، ان کا اندازہ لگایا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہ سب دشواریاں مسئلہ تقدیر کے صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے پیش آرہی ہیں۔ اس احساس کی شدت گزشتہ کنونشن کی تقریب پر اور بھی زیادہ ہوگئی جب میں نے دیکھا کہ شبِ استفسارات میں جو سوالات میرے سامنے آئے ان کی اکثریت بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی مسئلہ سے متعلق تھی۔ چنانچہ میں نے کنونشن کے فوری بعد اس طرف توجہ دی اور توفیقِ ایزدی نے اس قدر یاوری کی کہ اس قدر مشکل اور دقیق موضوع پر چار سو صفحات سے زائد ضخامت کی اس کتاب کا مسودہ "قلم برداشتہ" قریب تین ماہ کی مدت میں تکمیل تک پہنچ گیا اور میں نے جب دوبارہ اس پر نظر ڈالی تو میری زبان پر بے ساختہ آگیا کہ — شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔

مسئلہ تقدیر پر ہمارے ہاں کے متقدمین اور متاخرین نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس مسئلہ کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کی گئی یہ اتنا ہی الجھتا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق قرآن کریم میں بے شمار آیات ایسی ہیں جنہیں سطحی نظروں سے دیکھا جائے تو ان میں تضاد نظر آتا ہے۔ اس دشواری سے گھبرا کر بعض نے ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کا سہارا لیا اور بظاہر متضاد آیات کو منسوخ قرار دے کر آگے بڑھ گئے۔ اور بعض نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ "نہ جبر ہے نہ اختیار، بلکہ معاملہ ان کے بین بین ہے"۔ لیکن میں نہ وہ کہہ سکتا تھا نہ یہ۔ اس لئے میرا راستہ اور بھی دشوار تھا۔ لیکن قرآن کی شمع تابانی نے اس راستے کو اس انداز سے روشن کیا کہ میں جب ان طے کردہ وادیوں پر نگہ بازگشت ڈالتا ہوں تو خود محوِ حیرت رہ جاتا ہوں کہ میں ان میں سے کس طرح دامن بچا کر امن و سلامتی سے آگے نکل آیا۔ کتاب التقدیر میں ساڑھے نو سو کے قریب قرآنی آیات آئی ہیں اور ان میں سے اکثر و بیشتر وہی ہیں جنہیں متضاد قرار دیا جاتا ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد جب آپ دیکھیں گے وہ کس طرح ایک دوسرے کے مطابق ثابت ہوگئی ہیں، تو یقیناً آپ بھی میری ہمنوائی میں یہی کہیں گے کہ — ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء — لہٰذا میری جبینِ نیاز، مبداءِ کرم کی عتبۂ عالیہ پر باربار سجدہ ریز کیوں نہ ہو۔

اور یہی ہے وہ تحفہ جسے میں اس کنونشن کی مسعود و مبارک تقریب پر آپ احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ اگر اقبالؒ کی ہمنوائی میں کہوں تو ان الفاظ کے ساتھ کہ

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

اور اگر روزمرہ کی زبان میں کہوں تو یوں کہ

عشق میں ایک تم ہمارے ہو — باقی جو کچھ ہے سب تمہارا ہے
کیسا نفع کا ہے میرا یہ سودا!

والسلام!

(پرویز)

آج کس درجہ یاد آئے ہو تم!

ہم پر اعتراضات اور اُن کے جواب

جیب مکرم عبدالحکیم خان (اوف مردان) شمع قرآنی کے ایک وارفتہ پروانے تھے اور طلوع اسلام کنونشن میں ان کی شرکت وجہ بشاشت انجمن ہوا کرتی تھی۔ دو سال ادھر ان کا انتقال ہو گیا۔ یوں تو کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ احباب کو ان کی یاد نہ آتی ہو لیکن کنونشن میں ان کی کمی ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ کسی ایک کنونشن میں انہوں نے ایک مقالہ پڑھا تھا جو اتفاق سے ہمیں کاغذات میں کتابت شدہ محفوظ ملا ہے۔ ہم طلوع اسلام کی حالیہ کنونشن کی تقریب پر اسے مرحوم کی یاد میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ (طلوع اسلام)

[illegible]

مذہب پرست بزرگوں نے [illegible] رسومات کو جنم دیا ہے اور ہمیں وراثت میں سلف سے یہی رسومات مذہب کے نام سے [illegible] رسومات کو ایک لو طویل مدت کا سرٹیفکیٹ حاصل ہوتا ہے اور دوسرا بزرگوں کی [illegible] ہے پرستی [illegible] کہ انہیں اپنانا اور ان پر یقین و ایمان رکھنا گویا نشانات الٰہی سے اور رسول کریمؐ کی بعثت کی [illegible] نسبت ہی تھی۔

ان مذہبی رسومات نے جن کا قرآن کریم کی تعلیمات سے کوئی علاقہ نہیں، ہمارے اذہان و قلوب [illegible] مضبوط کر رکھی ہیں کہ اگر یہ ہمارے مذہبی عقاید سے خارج کئے جائیں تو "ایمان مفصل" بھی کسی کام کا نہیں رہتا اور "ایمان مجمل" [illegible] بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ "ایمان مفصل" کا ذکر آ گیا [illegible]۔

کچھ عرصے کی بات ہے اور یہ میرا ذاتی واقعہ ہے۔ مولویوں نے میرے خلاف ایک [illegible] کر کے اپنی عادت کے مطابق مجھے "خارج از اسلام" کر دیا۔ پھر ایک دوسرا مولوی جس کا تعلق میرے ساتھ اچھا تھا، جب کیا [illegible] مجھے سمجھا [illegible] مسلمان [illegible] پہلے تو وہ میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں مسجد میں جا کر اہل سنت والجماعت سے وابستگی اور پرویزیت سے برأت کا اعلان کروں لیکن اس میں جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو چند دنوں کے بعد وہ ایک تحریر لے کر جسے وہ اپنی اصطلاح میں "ایمان مفصل" کہتے ہیں، میرے پاس آ گئے اور کہنے لگے کہ "مولویوں کے ساتھ آپ کی طرف سے میں نے فیصلہ کر لیا۔ آپ صرف اس کاغذ پر دستخط کریں۔ باقی فتویٰ "خارج از اسلام" سب کچھ ٹھیک کرا لوں گا"۔ میں نے جب کاغذ دیکھا تو اس پر اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِن

ملٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۔ کہا تھا اور اس کے بعد چند ایسے فقرے کہ "میں سنی مسلمان ہوں، اہل سنت و الجماعت ہوں، رسولِ کریم کو آخری رسول سمجھتا ہوں اور "پرویزیت" سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے" تحریر دیکھنے کے بعد میں نے مولوی صاحب کو کہا کہ میں بفضلِ خدا خود کو مسلمان کہتا ہوں اور الحمد للہ مسلمان ہوں۔ اس لئے مولوی کی مخالفت سے نہ میں خارج از اسلام اور نہ اس کی موافقت سے داخل فی الاسلام ہو سکتا ہوں۔ اب رہا کاغذ پر میرے دستخط کا معاملہ، تو مولوی صاحب! اس کاغذ میں ایسی خلافِ قرآن باتیں درج ہیں کہ میں اپنی مسلمانی اس صورت میں محفوظ سمجھتا ہوں کہ اس پر دستخط نہ کروں۔ اگر خدانخواستہ اس پر دستخط کرنے کی غلطی کر بیٹھوں تو اسی وقت قرآن کا منکر اور لہٰذا خارج از اسلام ہو جاؤں گا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کس طرح۔ میں نے کہا اس طرح کہ قرآن کا حکم ہے۔ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ۔ اللہ کہتا ہے کہ فرقہ بندی شرک ہے، فرقے مت بناؤ اور آپ مجھ سے فرقہ بندی کی تائید اور توثیق پر دستخط لے رہے ہیں۔ قرآن کے خدا کا حکم مانوں یا اس کاغذ کے خدا کا۔ پھر اس تحریر میں یہ بھی موجود ہے کہ وَ الْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ جس کے معنی آپ لوگ کرتے ہیں کہ خیر و شر دونوں اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا ہوں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ ۔ جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے جو شر تم پر مسلط ہوتا ہے تو فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ ۔ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے تمہارے اپنے غلط قانون کا نتیجہ ہے۔ خدا اور خدا کا قانون ہرگز شر نہیں لاتا۔ خدا کا قانون خیر و برکت اور صرف خیر و برکت کا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن اس کی وضاحت یوں کرتا ہے۔ وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً فَرِحُوْا بِھَا ط تمہیں جب کوئی بھلائی اور خیر خواہی ہماری طرف سے پہنچتی ہے تو دیکھنا کیسی فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے (اَذَقْنَا) (ہماری طرف سے پہنچتی ہے) وَ اِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ط لیکن تم پر جب کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا کسی شر کے آغوش میں جا پہنچتے ہو تو یہ تمہارے اپنے اعمال اور اپنے ہاتھوں کی وجہ سے ہے۔ یہاں اَذَقْنَا کے مقابلہ میں قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ لایا گیا ہے۔ میں نے مزید کہا کہ قرآن کریم تو یہاں تک کہتا ہے کہ اَلْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ جو زمین پھل پھول اور اچھی خوراک پیدا کرتی ہے وہ اللہ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق پیدا کرتی ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ط لیکن جو زمین کم مقدار میں اور غیر مفید چیزیں پیدا کرتی ہے اس کی ذمہ داری اللہ نے زمین کی خباثت اور خرابی پر ڈالی ہے۔ نکدًا کے ساتھ بِاِذْنِ اللّٰہِ نہیں لایا گیا ورنہ نَبَاتُہٗ اور نَکِدًا پھول اور کانٹے دونوں زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن پھول کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور کانٹے کو خراب زمین کی طرف۔

اس لئے مولوی صاحب! مجھے معاف فرمایئے۔ اپنے قتل کے حکم پر اپنے ہاتھ سے کس طرح دستخط کر دوں۔

برو این دام بر مرغِ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

مولوی صاحب خفا ہو کر تشریف لے گئے۔ دیکھتے ہیں کب ان کی بارگاہ سے دوبارہ مجھے "اسلام میں داخل" ہونے کا پروانہ ملتا ہے۔

ہاں تو میں بات کر رہا تھا غلط رسومات کی جو ہمارے "مذہب" کی بنیاد ہیں۔ اس موضوع پر ایک دفعہ ایک صاحب مجھ سے گفتگو کر رہے تھے کہ سینکڑوں سال سے کیونکر ایک خلافِ قرآن رسم چل سکتی ہے۔ کیا ہمارے اسلاف قرآن سے ناواقف تھے۔ یہ گفتگو ان سے سڑک کے کنارے ایک دکان میں ہو رہی تھی کہ اتنے میں ایک جلوس آیا۔ یہ محرم کے ایام تھے۔ جلوس دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا اور سخت سینہ کوبی ہو رہی تھی۔ یہ صاحب فوراً کہنے لگے کہ "یہ لوگ کیا بیہودہ فعل کر رہے ہیں اور لطف یہ کہ اسے ثواب بھی سمجھتے ہیں"۔ میں نے جواب میں کہا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رسم ایک ہزار سال سے چلی آ رہی ہے اور ان کے بزرگوں سے چلی آ رہی ہے اور ان بزرگوں میں بقول ان کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر بڑے ائمہ حضرات ہیں۔ آپ کے قول کے مطابق اسلاف سے جو رسم چلی آ رہی ہو وہ غلط نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے آپ اسے کس طرح بیہودہ کہتے ہیں۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گئے لیکن دوسرے دن پھر وہی "اسلاف" کا دُکھڑا بجا رہے تھے۔

قربانی

بقر عید کی قربانی میں بھی اسلاف پرستی کا عقیدہ کارفرما ہے۔ مجھ پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ سب مسلمان عید میں قربانی دیا کرتے ہیں اور سالہا سال سے قربانی چلی آ رہی ہے لیکن تم لوگ ہو کہ اس سے بھی انکار کرتے ہو۔ کسی زمانے میں میں بھی اس رسم کا پابند تھا۔ جانور عید کے پہلے، دوسرے یا تیسرے دن ذبح کیا جاتا۔ (پہلے دن کی قربانی میں ثواب زیادہ بتایا جاتا تھا) اچھا اچھا گوشت اپنے لئے چھوڑ لیتے۔ اس سے دوسرے نمبر پر عزیزوں رشتہ داروں کے گھر بھیجتے اور تیسرے نمبر پر یعنی چھیچھڑے اور ہڈیاں وغیرہ فقیروں، محتاجوں میں تقسیم کرتے۔ عجیب بات اس میں یہ تھی کہ جس عزیز یا رشتہ دار کو ہماری طرف سے گوشت جاتا، تو اتنا ہی گوشت ان کی طرف سے واپس مل جاتا یعنی ہم ان کے ہاں قربانی کا گوشت بھیجکر ثواب کمایا کرتے اور وہ ہمارے ہاں بھیجکر ثواب کماتے۔ گوشت کی ضرورت نہ اُن کو تھی نہ ہمیں، صرف قربانی کرنے اور گوشت بانٹنے کی رسم کی پابندی مقصود تھی۔ اب جب میں قربانی نہیں کرتا ہوں اور میری طرف سے اُن کے پاس گوشت نہیں پہنچتا ہے تو اُن کی طرف سے بھی بہت حد تک گوشت کی ترسیل میں کمی آ گئی ہے۔ مندرجہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد میں معترضین سے پوچھتا ہوں کہ قربانی کا یہ طریقہ اللہ اور رسول کا بتایا ہوا طریقہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد میں پھر قرآن کا بتایا ہوا طریقہ پیش کرتا ہوں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ قرآن نے قربانی کا مسئلہ تفصیل سے بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ اعلان کرو کہ دنیا کے دور دراز گوشوں سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے پا پیادہ یا تھکی ماندی سواریوں پر لوگ حج کے لئے آیا کریں۔ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ج ۔ اور جو

خوشی ہم نے تمہیں دے رکھے ہیں اس اجتماع کے معتدرہ دنوں میں ذبح کریں۔ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ان کا گوشت خود بھی کھائیں اور اگر کوئی محتاج ہو تو اُسے بھی کھلائیں اور آخر میں سب سے اہم حکم یعنی ذبح کا مقام ان الفاظ میں بتا دیا۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ان جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام خانہ کعبہ ہے۔

میں اُن سے کہتا ہوں کہ اتنی تفصیل بتانے کے بعد پھر بھی اگر کوئی شخص اپنی گلی کوچے میں قربانی کے طور پر جانور کاٹتا ہے تو اسے اگر ضیاعِ وقت اور ضیاعِ مال نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ جواب میں وہی اسلاف کا حوالہ دیا جاتا ہے اور بات ختم کر دی جاتی ہے۔

انکارِ حدیث | انکارِ حدیث اور انکارِ سنت کا اعتراض تو بہت پرانا اعتراض ہے لیکن "طلوعِ اسلام" کے سرورق پر حکیمی اور دیگر احادیث نے بہت حد تک اس اعتراض کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم ہر اس حدیث کو صحیح جانتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ ان معترضین میں عموماً ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ وہ یہ سن کر حیران ہو جاتے ہیں اور فوراً پوچھ بیٹھتے ہیں کہ کیا ایسی احادیث بھی ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں؟ ان کی حیرت کو دور کرنے کے لئے "کذبِ ابراہیمی" والی بخاری کی حدیث مَا كَذَبَ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ۔ یعنی حضرت ابراہیم نے تین دفعہ جھوٹ بولا ہے، پیش کی جاتی ہے اور پھر مقابلے میں قرآن کی یہ آیت وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ یعنی حضرت ابراہیم بڑے ہی سچے نبی گزرے ہیں، لائی جاتی ہے۔ تو اگرچہ بظاہر وہ لاجواب ہو جاتے ہیں لیکن وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ کے مصداق حدیث کا غلط مگر مقدس تصور ان کے اذہان پر چھایا جاتا ہے اور پھر اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان معترضین میں میرے ایک بزرگ بھی ہیں جو مجھے منکرِ حدیث کے نام سے نوازا کرتے ہیں۔ ایک محفل میں جب کئی بار مجھے منکرِ حدیث کہا تو میں نے جواب دیا کہ آپ تو خود بھی منکرِ حدیث ہیں اور مجھ سے بدتر قسم کے۔ آپ داڑھی کو حضور کی سنت بھی کہتے ہیں اور روزانہ منڈاتے بھی ہیں۔ زبان سے مانتے ہیں اور عملاً اس سے انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کہتا ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ آپ تو حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن کے بھی منکر ہو گئے ہیں۔ وہ اب بھی خدا کے فضل سے بقیدِ حیات ہیں۔ مخالفت کا وہی دم خم ہے۔ عمر تقریباً ستر سال ہے۔ داڑھی کی تواضع ہر صبح اب کمزوری کی وجہ سے حجام سے کروا رہے ہیں اور غالب کی پیروی میں کہہ رہے ہیں۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

شفاعت | شفاعت کا عقیدہ بھی ہمیں اسلاف سے ورثے میں ملا ہے۔ اس عقیدے نے جس طرح مسلمان قوم

کوئی آسانی کا علمبردار اور جنت کا ٹھیکہ دار بنا رکھا ہے اس نے ہمارے آجکل کے معاشرے کو بہت بُری طرح متاثر کیا ہے۔ نہ مکافاتِ عمل کا خوف، نہ عملِ بد کے انجام کی فکر، اور نہ عذاب کا ڈر۔ چونکہ یہ عقیدہ بھی قرآن کے خلاف ہے اس لیے اس کی مخالفت بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ہمیں "منکرِ شفاعت" کا طعنہ بھی دیا جاتا ہے۔

اور بھری محفلوں میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک محفل میں یہ اعتراض کیا گیا تو میں نے کہا کہ قرآن کریم میں نہ کسی شفاعت کا ذکر ہے اور نہ کسی شفاعت کرنے والے کا۔ ہاں اگر لوگ اپنے آپ کو ورغلانے اور دھوکا دینے کے لئے چند ایک شفاعتوں کو وجہِ عفو اور مغفرت سمجھتے ہوں تو یہ بعینہٖ ایسی ہے جس طرح کہ عیسائی حضرت عیسٰیؑ کے سولی پر چڑھ جانے کو اپنے لئے گناہوں کا کفارہ اور شفاعت سمجھتے ہیں جیسے وہ عقیدہ غلط اور خود ساختہ ہے اسی طرح ہماری شفاعتیں بھی غلط اور خود ساختہ ہیں۔ ہماری شفاعتوں میں سب سے پہلے نمبر پر رسول کریمؐ کی شفاعت بتائی جاتی ہے لیکن ہم انہیں کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ قرآن کہتا ہے۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ۔ یعنی ظہورِ نتائج کے وقت نہ ایک آدمی دوسرے کا بدل ہو سکتا ہے اور نہ کسی کی شفاعت و سفارش قبول کی جا سکتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سنیئے کہ ایک دفعہ ہمارے گاؤں میں ایک معصوم بچہ فوت ہو گیا۔ قبرستان میں مولوی صاحب نے حدیث کے حوالے سے ایک مسئلہ بیان کیا کہ حضورؐ نے بقول اس کے فرمایا کہ جس آدمی کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہو گئے ہوں، تو فرمایا وہ بھی جنتی ہوگا۔ پھر آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر ایک بچہ فوت ہو گیا ہو تو فرمایا وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے بھری محفل میں لوگوں سے کہا کہ مولوی صاحب نے جنت کا داخلہ کتنا آسان اور مفت بنا لیا ہے علامہ اقبالؒ نے غالباً اسی جنت کے لئے فرمایا تھا۔

بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش
بہشتے فی سبیل اللہ ہم است

میں نے مزید کہا کہ ایک طرف اس بچے کی افسانوی سفارش کو دیکھیں اور دوسری طرف سورۃ ممتحنہ میں یہ آیت ملاحظہ فرمائیں۔ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے خویش و اقارب کچھ کام آئینگے اور نہ تمہاری اولاد جس جنت کو مولوی صاحب فی سبیل اللہ بتا رہے ہیں اس کے متعلق سورۃ بقرہ میں قرآن یوں فرماتا ہے۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ تمہارا کیا خیال ہے تم مفت میں جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۖ ایسا نہیں ہو سکیگا تمہیں بھی ان جانگداز مراحل سے گزرنا ہوگا جن سے تمہارے سے پہلے مومن اسلاف گزرے ہیں۔ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا۔ سختیاں اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ ان کی شدت سے ان کے دل دہل جاتے۔ حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اُٹھتے کہ بار الہا! ہماری کوششوں کی بارآوری کا وقت کب آئیگا۔ میں نے کہا کہ جنت کے حصول سے قبل یہ مراحل طے کرنا ہوں گے۔ قرآن میں مفت جنت کہیں بھی نہیں۔

مولوی صاحب اور دیگر حضرات یہ باتیں سنکر صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ تم حدیث نہیں مانتے جو تمہارے ساتھ کیا گفتگو کی جائے۔

اس ضمن میں عام لوگوں سے کیا گلہ ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے تعلیم یافتہ افراد بھی اس میدان میں ان سے پیچھے نہیں۔ ہمارے ہاں ایک لیکچرار صاحب ہیں جو خیر سے ایم اے اسلامیات ہیں۔ انہیں چند طالب علموں کو پاس کرنے کی سفارش کی گئی چنانچہ وہ پاس کئے گئے۔ جب ہمارے ایک دوست نے لیکچرار صاحب سے پوچھا کہ یہ تو آپنے ناجائز کیا۔ کہنے لگے "ناجائز تو تب کرتا کہ ان کے بدلے پاس شدہ لڑکوں کو فیل کرتا فیل لڑکے پاس کئے گئے ان کی مدد کی گئی۔ یہ تو بہت ثواب کا کام ہے۔" اور تائید میں مزید فرمانے لگے کہ "ایسی سفارش تو اللہ بھی مانتا ہے۔ حضورؐ قیامت کے دن بہت سارے گنہگاروں کی سفارش کر کے جنت میں داخل کروائیں گے۔ میں نے بھی ویسے ہی کیا۔" شفاعت کا غلط تخیل معاشرے میں کیسے فساد پھیلانے کا موجب بن سکتا ہے۔

جسمانی معراج

مولوی اور عوام کے اعتراضات کی فہرست میں یہ اعتراض بھی اکثر وبیشتر پیش کیا جاتا ہے کہ تم لوگ جسمانی معراج کے منکر ہو۔ لیکن جب انہیں کہا جاتے کہ جسمانی معراج کے تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے جلیل القدر اصحاب بھی منکر ہیں۔ ان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے تو اپنی جہالت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: "کیا تم اپنے آپ کو صحابہؓ کے ہم رتبہ سمجھتے ہو۔"

برایں عقل و دانش بباید گریست

بعض وقت جب مخاطب کوئی تعلیم یافتہ آدمی ہو تو اس کے ساتھ عقلی بحث شروع کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں جب حضورؐ نے نبیوں کی امامت کی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی حاضر ہوئے تو کیا وہ اپنے جسموں سمیت حاضر ہوئے تھے؟ کیا جسموں سمیت مسجد اقصیٰ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی آسکتے ہیں؟ اور پھر جب آپ جنت اور دوزخ دیکھنے گئے اور دوزخ میں بہت سارے دوزخی موجود پائے تو کیا وہ جسموں سمیت تھے؟ ان دونوں مواقع پر یہ جسموں سمیت نہیں تھے اور یقیناً نہیں تھے کیوں کہ ان کے جسم قبروں میں موجود ہیں اور اللہ تعالےٰ کا فیصلہ ہے کہ یہ جسم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ۔ تو یک دم وہ قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف نکل پڑیں گے۔ فَاِذَا ھُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ ۝

اسی شفاعت کے بارے میں ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعت یا سفارش خواہ نبی کی ہو اور یا کسی پیر فقیر کی ہو۔ بڑے بڑے ہوشیار دانشور اس جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان دانشوروں میں ایک خدا کے

کے فضل سے کالج کے پرنسپل بھی ہیں۔ یہ صاحب ایک پیر صاحب کے مرید ہیں۔ اس پیر صاحب کا سالانہ عرس لگتا ہے جس میں لاکھوں آدمی شرکت کرتے ہیں۔ بسیں چلتی ہیں، موٹریں چلتی ہیں، یہاں تک کہ سپیشل ٹرینیں بھی چلتی ہیں۔ ایک سال وہ ہمارے ایک دوست کو بھی ساتھ لے گئے۔ جب پنڈال سجایا گیا، قوال مع اپنے سازوسامان بیٹھ گئے تو سٹیج پر ایک مخصوص مقام پیر صاحب کے لئے سجایا گیا، اور ساتھ ہی ایک دوسری کرسی رکھ دی گئی جس کے نیچے زرق برق، بیش بہا قالین بچھائے گئے تھے۔ کرسی کے اوپر زربفت اور کمخواب نچھاور کیا گیا تھا۔ لیکن یہ سنہری اور روپہلی کرسی ہنوز خالی تھی۔ ہمارے دوست نے پرنسپل صاحب سے پوچھا۔ یہ کرسی ابھی تک کسی نے سنبھالی نہیں، یہ کن کے لئے ہے۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ "کرسی تو بہت دیر سے سنبھالی گئی ہے۔ اس پر سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم تشریف فرما ہیں، ہم لوگوں کو نظر نہیں آرہے ہیں، البتہ حضرت صاحب (یعنی پیر صاحب) کو نظر آرہے ہیں۔ قوالی بغیر ان کی تشریف آوری کے شروع ہی نہیں ہو سکتی......" معلوم ہوا ہے کہ قوالی کی ایک ایک نشست میں دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپے جمع ہوتے ہیں اور یہ سب پیر صاحب ہضم کر لیتے ہیں۔ معلوم نہیں جعلی پیر کا قانون ان کے خلاف کب حرکت میں آئے گا۔ میرے دوست کان پکڑ کر کہنے لگے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد!

علامہ اقبالؒ نے ایسے خردمند کے متعلق کہا تھا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب ہمارے اونچے طبقے کے علم و دانش کا یہ معیار ہو، اور عوام کا تو کچھ کہنا نہیں، تو مجھ پر بڑی مایوسی طاری ہو جاتی ہے اور اپنی یہ سعی و کوشش جو ہم قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں پیش کرتے ہیں، بے نتیجہ معلوم ہونے لگ جاتی ہے اور وہی حضرت ابراہیمؑ والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دل کے اندر سے آواز نکل آتی ہے کہ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی۔ یہ مردہ قوم کس طرح قرآن سے آشنا ہوگی۔ لیکن پھر جب قرآن ہی سے جواب ملتا ہے۔ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡکَ۔ اپنی کوشش میں ثابت قدم رہو، ان سے میل جول بڑھاؤ اور محبت و موانست پیدا کرو۔ آخرکار نتیجہ سودمند ہوگا۔ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا۔ یہ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ تو پھر از سرِنو دل مطمئن ہو جاتا ہے اور نئے جوش اور ولولے سے قدم اٹھنے لگ جاتے ہیں۔

تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا دور بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ پیغمبر تک اس میں لرزنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن آخرکار خدا کا ضابطہ منصور و مقبول ہو جاتا ہے کیونکہ بغیر اس کے دکھی انسانیت کا علاج ہو ہی نہیں سکتا

(باقی صفحہ پر)

دو قومی نظریہ کی کیا درگت بن رہی ہے

"دو قومی نظریہ" اسلام کا اساسی اصول اور مملکتِ پاکستان کی بنیاد ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی اصول کی رو سے مسلمانانِ ہند کے لئے ایک جداگانہ مملکت کا تصور دیا۔ اور قائداعظمؒ مسلسل دس سال تک اس کے لئے جنگ کرتے رہے اور بالآخر اسے انگریز اور ہندو دونوں سے منوا کر چھوڑا اور یوں اس مملکت کا وجود عمل میں آگیا۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد یہاں کے ذمہ دار ابنائے ملت نے اس سے مجرمانہ تغافل برتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کی مخالفت کرنے کی جرأت کسی نے نہیں کی۔ مگر اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اس کی علانیہ مخالفت کی جاتی ہے اور وہ بھی یہ کہہ کر کہ یہ (دو قومی نظریہ) خود قائداعظمؒ کے تصورِ پاکستان کے خلاف ہے۔

ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے!

اس کی تائید میں یہ لوگ قائداعظمؒ کی اس تقریر کا سہارا لیتے ہیں جو انہوں نے ۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔ طلوعِ اسلام میں قائداعظمؒ کی اس تقریر کے متعلق بڑی وضاحت سے، اور متعدد بار لکھا جا چکا ہے اس لئے اسے اس مقام پر دہرانے کی ضرورت نہیں (اس سلسلہ میں طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۷۱ء میں "قائداعظمؒ اور دو قومی نظریہ" کے عنوان کے تحت شائع شدہ مقالہ ملاحظہ فرمائیے)۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اب خود اس مملکت کے اندر اس نظریہ کی، جو ہماری جداگانہ مملکت کی اساس و بنیاد ہے، کس انداز سے مخالفت کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے روزنامہ آزاد (لاہور) کی اشاعت بابت ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کا اداریہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے

> "جناب ذوالفقار علی بھٹو نے انکشاف کیا ہے کہ ان کی اطلاعات کے مطابق ماہرین کے تیار کردہ آئین میں جداگانہ طرزِ انتخاب کا اصول اختیار کیا جائے گا۔ یہ خبر ملک کے ہر باشعور شہری کے لئے باعثِ تشویش ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کے نام پر گھٹیا سیاست کا کاروبار چلانے والے عناصر اور خانہ ساز نظریۂ پاکستان کے خود ساختہ مجاور کچھ عرصے سے مخلوط طرزِ انتخاب کی بجائے جداگانہ نیابت کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ قوم کو ترقیٔ معکوس کی راہ دکھانے والے یہ حضرات اپنے دقیانوسی نعرے کے جواز میں کوئی معقول دلیل پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں۔ لے دے کے ان کے پاس ایک دلیل یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے ہندو اکثریت کے چنگل سے نکلنے کے لئے جداگانہ طرزِ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا اور قومی بقا کے اس تقاضے نے دو قومی نظریے کو جنم دیا۔ لہٰذا جداگانہ طرزِ انتخاب ترک کرنا پاکستان کے اساسی اصول سے انحراف کے مترادف ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ طرزِ استدلال تاریخ، دو قومی نظریہ اور پاکستان کے بنیادی حقائق سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ جداگانہ طرزِ انتخاب کے حق میں اس دلیل کی رد کے لئے قائداعظمؒ کا ۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کا یہ اعلان کافی ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد ایک پاکستانی قوم ظہور میں آئی۔ پاکستان میں مسلمان مسلمان نہ رہیں گے اور

تو ہی ہندو ہندو رہینگے۔ مذہبی اعتبار سے ان کی حیثیت برقرار رہے گی لیکن اس سے مملکت کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ اس واضح اعلان کے بعد پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر قوموں کی تخصیص بانی پاکستان کے اصولوں سے بغاوت ہے اور ہمیں حیرت ہے کہ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے قائد اعظمؒ کے فرمودات کا ورد کرتے رہتے ہیں' وہ کس بنیاد پر پاکستان میں جداگانہ طرزِ انتخاب کا نعرہ لگا کر پاکستانی قوم کو تقسیم کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟"

ان حضرات سے اسلام کے حوالے سے کوئی بات کرنا لاحاصل ہے۔ ہم ان سے صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ روس میں بیٹھ کر مارکس۔ لینن یا کمیونزم کے بنیادی نظریات کے خلاف اس انداز سے باتیں کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟

۲۔ آگے بڑھیئے۔ روزنامہ مساوات اپنی ۲ اکتوبر کی اشاعت کے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"بابائے ملت قائد اعظم محمد علی جناحؒ بانیٔ پاکستان نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی پہلی قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس ملک میں ہندو اور دوسری اقلیتیں مذہبی طور پر آزاد اور خود مختار ہونگی مگر پاکستان کے تمام باشندے ایک ہی پاکستانی قوم کے فرزند ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اب معاصر عزیز نوائے وقت نے فیصلہ دیا ہے کہ پاکستان میں صرف ایک قوم ہے اور وہ صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ باقی تمام غیر مسلم پاکستان کے شہری نہیں۔ یہ بات اصل میں بھارت کہتا ہے۔ کیونکہ وہ ساری دنیا میں پاکستان کو ایک جنونی اور متعصب ریاست کی شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے جس میں مسلمانوں کے سوا کسی کو قومیت کے حقوق حاصل نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا پاکستان کے خلاف ہو جائے اور جب بھارت اس کو توڑنے کی کوشش کرے تو کسی کو اعتراض نہ ہو۔"

اس کے جواب میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا چاہتے کہ اسی روزنامہ مساوات کا ۱۱ ستمبر ۱۹۷۰ء کا مقالہ افتتاحیہ ان کے سامنے رکھ دیا جائے۔ دیکھئے اس میں مساوات نے کیا لکھا تھا:

"پاکستان اس دو قومی نظریئے کی پیداوار ہے جسے برصغیر پاک و ہند میں سراج الدولہ سے لیکر قائد اعظم محمد علی جناحؒ تک ہمارے اکابر نے اپنے خون اور پسینے سے سینچا۔ یہ دو قومی نظریہ ہی تھا جس نے ایک ملک کو دو مختار مملکتوں میں بانٹ کر دنیا کا جغرافیہ بدل دیا۔ اور ہندوستان میں بسنے والی ایک اقلیت کو دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کا وارث بنا دیا۔

پاکستان کو بجا طور پر قائد اعظم کی میراث کہا جاتا ہے۔ لیکن قائد اعظم کی اصل میراث وہ دو قومی نظریہ ہے جس نے پاکستان کو جنم دیا۔ اور جو خود انہیں ٹیپو سلطان، سید احمد شہید، سید احمد خاں، محمد علی جوہر اور اقبال سے ورثے میں ملا تھا۔ آج اگر اس نظریئے پر زد پڑتی ہے تو گویا پاکستان کی بنیاد ڈھے جاتی اور ہماری جداگانہ قومیت کے نیچے سے زمین سرک جاتی ہے۔

دو قومی نظریہ پہلے بھی ہمارے دشمنوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور آج بھی ان کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ جوں جوں پاکستانی قوم اس نظریئے کی معنویت سے غافل ہوتی جائے گی، ہمارے دشمنوں کا وہ خواب پورا ہوتا جائے گا جو انہوں نے کل اکھنڈ بھارت کی شکل میں دیکھا تھا اور آج پاک بھارت کنفیڈریشن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں ۔۔۔۔ نظریۂ پاکستان اگر کچھ ہے تو صرف دو قومی نظریہ ہے۔ اسی نظریئے پر پاکستان کا مطالبہ کیا گیا اور اسی پر پورے برصغیر کے مسلمانوں نے ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے پاکستان کے حصول کیلئے سرفروشانہ

جد و جہد کی۔ اس نظریئے کے مطابق ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، جن کا دین، تہذیب و تمدن اور طرزِ حکومت اس حد تک مختلف ہیں کہ وہ ایک مملکت کی صورت میں زندگی نہیں گزار سکتیں"۔۔۔۔۔

اربابِ مساوات کے متعلق ہم آج تک اسی حسنِ ظن میں مبتلا تھے کہ ان سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو، لیکن یہ لوگ اپنے اصولوں میں دیانتدار ضرور ہیں۔ اچھا ہوا ہماری یہ غلط فہمی بھی جلدی دور ہو گئی۔ یہاں حمام میں سب ننگے ہیں۔

اس مقام پر ہم اتنی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جو لوگ جداگانہ انتخاب کے حامی ہیں، وہ بھی دو قومی نظریہ کے مؤید نہیں۔ دو قومی نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ پاکستانی قوم صرف یہاں کے مسلمان باشندوں پر مشتمل ہے۔ غیر مسلم اس قوم کا حصہ نہیں۔ اس لئے نہ وہ یہاں کی اسمبلیوں کے ممبر بن سکتے ہیں، نہ امورِ مملکت میں شریک کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جداگانہ انتخاب کے حامی یہ کہتے ہیں، کہ غیر مسلم اسمبلیوں کے ممبر بن سکتے ہیں جہاں انہیں آئین اور قوانین کے سلسلہ میں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمان اراکین کو حاصل ہونگے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ غیر مسلم، غیر مسلموں کے ووٹ سے منتخب ہونگے اور مسلمان، مسلمانوں کے ووٹ سے یعنی ان حضرات کے نزدیک، اسمبلی ہال میں داخل ہونے کے لئے دو الگ الگ دروازے ہونگے لیکن جب وہ ہال میں داخل ہو جائیں گے تو سب ایک ہو جائیں گے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ لوگ بھی دو قومی نظریہ کے اسی طرح مخالف ہیں جس طرح مخلوط انتخاب کے حامی۔ یہ لوگ جو عوام کو اس قسم کا تأثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نظریۂ پاکستان کے حامی ہیں، اور مخلوط انتخاب کے علمبردار اس نظریہ کے مخالف، یہ فریب دہی کے سوا کچھ نہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو امید ہے کہ انہیں غیر مسلموں کے ووٹ مل سکیں گے، وہ مخلوط انتخاب کے حامی ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انہیں ان کے ووٹ نہیں مل سکیں گے (مثلاً جماعت اسلامی) وہ جداگانہ انتخاب کے علمبردار بن کر سامنے آ رہے ہیں — یہاں "درویشی بھی عیاری ہے اور سلطانی بھی عیاری!" درویشی جداگانہ انتخاب کو اسلام کا تقاضا کہہ کر پیش کرتے ہیں اور "سلطان" مخلوط انتخاب کو قائداعظم کا تصورِ قومیت کہہ کر — اور درحقیقت دونوں مطلب پرست ہیں۔

—— (باقی) ——

بقیہ: ہم پر اعتراضات اور اُن کے جواب

(صفحہ ۲۷ سے مسلسل)

ہے۔ لیکن یہ کب ہوگا، اس کا دارومدار ہماری سعی و جہد پر ہے۔ جتنی جلدی اس نظام کے لئے زمین ہموار کی جائے اتنا ہی جلدی قائم ہوگا۔ اور وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا — کا سماں پیدا ہوگا۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

—— (باقی) ——

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

ایک سال پہلے کی بات ہے، جماعتِ اسلامی نے (دسمبر ۱۹۷۰ء میں ہونے والے) انتخابات کے سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ کی مہم شروع کی تو فضا میں ایسا تاثر پیدا کیا جس کے سامنے دربارِ فرعون کے ساحرین بھی ماند پڑ گئے۔ ان کی سحر انگیزی سے یوں محسوس ہونے لگا گویا یہ مقدسین کی ایک نورانی جماعت ہے جو جہاد کے عظیم فریضہ کے لئے سر بکف اور کفن بدوش میدان میں آتر آئی ہے اور اس کے اس سرفروشانہ ولولے پر خدا اور اس کے فرشتے تحسین و تبریک کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔ مقربینِ بارگاہِ الٰہی ان کی نصرت و کامیابی کے لئے دست بدعا اور سر بسجود ہیں۔ تمام اسلامی ممالک کے اکابرین ان کی فتح و کامرانی کی تبشیر جانفزا سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہیں۔ دنیا بھر کے سترکروڑ مسلمان ان کی شان میں حمد و ستائش کے غلغلے بلند کر رہے ہیں ملک کے تمام ووٹ دہندگان ان کے حضور صف بستہ سر جھکائے کھڑے ہیں کہ ان کی طرف سے اشارہ ہو تو ووٹ ایک طرف، وہ اپنے سروں کو طشت میں لگا کر ان کے حضور پیش کر دیں۔ اس جماعت کا ہر رکن انتخاب سے بہت پہلے اپنے آپ کو یوں مسندِ وزارت پر فائز دیکھتا تھا گویا یہ روزِ ازل سے اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے اور اقتدار کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اس جماعت نے اس قسم کی تخیلاتی فضا پیدا کرنے کے لئے کس کس نہج سے پراپیگنڈہ کیا تھا، قارئین شاید اسے بھول گئے ہوں۔ ہم ان کی تجدیدِ یادداشت کے لئے اس کی طرف سے صرف ایک اخبار مشرق کی چار اشاعتوں (بابت ۳، ۴، ۵، ۶ دسمبر ۱۹۷۰ء) میں شائع کردہ اپیلوں اور محضر ناموں کو درج ذیل کرتے ہیں۔ انہیں غور سے پڑھیے۔

۱۔ روزنامہ مشرق - بابت ۳ دسمبر ۱۹۷۰ء

۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام پسند پاکستانی عوام کی طرف سے تمام اسلام پسند جماعتوں کے معزز سربراہان، ان کے امیدواران اور اسلام پسند آزاد امیدواروں سے

اللہ کے نام پر

اپیل

وہ اللہ کہ جس نے ہمیں قرآن پاک جیسی کتاب، محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم المرتبت پیغمبر اور تمام دنیوں کا سردار

دینِ اسلام عطا فرمایا اور جس کی سربلندی کے لئے آپ کی کوششیں قابلِ صد ہا تحسین ہیں۔

ملک کو سوشلزم، کمیونزم، لسانی و صوبائی تعصبات، علیحدگی پسندی کے رجحانات اور انتشار سے بچانے کے لئے ایک اور احسان مندی فرمائیے۔ تاکہ موجودہ قوم اور آنے والی نسلیں آپ کی مرہونِ منت رہیں۔

اختلافات اور رنجشیں ختم کر کے

متحد ہو جائیے ٭ متحد ہو جائیے ٭ متحد ہو جائیے

اس کے سوا ملک کو تاریکی اور الحاد اور کفر سے بچانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں

اسلام پسند جماعتوں اور اسلام پسند آزاد امیدواروں کی طرف سے متفقہ طور پر دیانتدار افراد پر مشتمل با اختیار جائزہ کمیٹیاں بنائی جائیں جو کہ اپنے اپنے شہر یا علاقہ کے حلقہ میں پھر کر جائزہ لیں کہ کونسا نمائندہ ایسا ہے کہ جس کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں اور اسلام پسند عوام کی کثرت اس کے ساتھ ہے بلا امتیاز کہ وہ کس جماعت کے ساتھ ہے نہایت باعزت طریقہ سے جائزہ کمیٹی اور جائزہ کمیٹی کا منتخب نمائندہ مدِمقابل امیدواران کی خدمت میں بیٹھ جانے پر آمادہ کرنے کی درخواست کرے۔

مدِمقابل امیدواران کی خدمت میں بھی عوام کی طرف سے درخواست ہے کہ وہ جائزہ کمیٹی اور منتخب امیدوار کی درخواست کو بخوشی قبول فرما کر اسلام کی سربلندی کے لئے ایثار فرما دیں تاکہ ایک سوشلسٹ کے مقابلے میں صرف ایک ہی اسلام پسند نمائندہ ہو۔

انتخاب قومی ہو یا صوبائی اسمبلی، یہ ہے سوشلزم، کمیونزم اور دیگر خرابیوں سے ملک کو بچانے کا عوام کی نظروں میں واحد ذریعہ۔

جائزہ کمیٹیوں کی خدمت میں درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اندر اختلاف پیدا نہ ہونے دیں اور ہر امیدوار کے حق میں فیصلہ حتی المقدور صلح نیز دیانتداری اور کثرت رائے سے کریں۔

اپنے اسلام پسند عوام سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ جائزہ کمیٹی کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں اور ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کریں۔

ملک کے تمام اخبارات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کر کے انتخابات کے آخری ایام تک یہ اپیل شائع کرتے رہیں۔ قوم ان کی مزید ممنون ہوگی۔

یہ ہے ہماری ناقص درخواست اور جذبہ۔ باقی ہمارے قابلِ قدر سربراہان ہم سے کئی گنا بہتر سوچ سکتے ہیں۔

درخواست کنندگان

اسلام پسند پاکستانی عوام "

"جماعت اسلامی پاکستان میں اسلام کا حصار ہے"

——— مولانا مودودی

جماعتِ اسلامی کے سوا اس وقت ملک میں کوئی ایسی پارٹی یا شخصیت نہیں ہے جو دشمنِ اسلام قوتوں کے اٹھائے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھ سکے اور سیلاب کا جواب سیلاب سے دے سکے

جماعت اسلامی کا انتخابی نشان ــــ ترازو

پس پاکستان کو سوشلزم، جئے بنگلہ، جئے سندھ اور پختونستان جیسے فتنوں سے بچانے کیلئے جماعت اسلامی کا ساتھ دیجئے۔

(شعبۂ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان)

۲- اُسی تاریخ میں ایک اور

"

کاروانِ رواں دواں

- وہ مقدس مقصد ـــــــ جس کے لئے حضرت مجددؒ نے اسیری میں دعائیں کیں۔
- وہ نصب العین ـــــ جس کے لئے تحریک مجاہدین کے شہداء نے خون دیا۔
- وہ تمنائے بیتاب ـــــ جس کے لئے تحریکِ خلافت موجزن رہی۔
- وہ مدعائے ملت ـــــ جس نے اقبالؒ کو سوز و سازِ ملت اور ذکر و فکر رازی دیا۔
- وہ آرزوئے مسلم ـــــ جس کے لئے قائداعظمؒ کی سرکردگی میں تشکیلِ پاکستان ہوئی۔[1]

آج ـــــ اسی کے حصول کے لئے جماعت اسلامی جد وجہد کر رہی ہے!

یہ ایک ہی کاروانِ نظام اسلامی ہے جو برسوں سے مرحلہ بمرحلہ اپنی منزل کیطرف بڑھ رہا ہے۔

آپ بھی اس کاروانِ رواں دواں میں شامل ہو جائیے۔

اپنا ووٹ جماعت اسلامی کے حق میں استعمال کیجئے!　　جماعت اسلامی کا انتخابی نشان ترازو

"

(شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان)

۳- ۴ر دسمبر ۱۹۷۰ء

"

قولِ فیصل

ملک کے پہلے عام انتخابات میں اب صرف چند روز باقی ہیں۔ ۷ر دسمبر کو پاکستان کے عوام یہ فیصلہ کریں گے کہ پاکستان کے سر پر جو خطرات منڈلا رہے ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اور ملک کی وحدت و سالمیت اور اس کے بنیادی نظریہ کی حفاظت کے لئے وہ کس جماعت پر اعتماد کرتے ہیں۔ لہٰذا میں اس موقعہ پر ایک بار پھر جماعت اسلامی کی وہ امتیازی خصوصیات عوام کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں جن کے ساتھ وہ انتخابات میں حصہ لے رہی ہے تاکہ وہ دوسری جماعتوں کے ساتھ موازنہ کرکے یہ رائے

---

[1] یعنی وہ قائداعظمؒ جس کے خلاف انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران وہ کچھ اچھالا کہ توبہ بھلی۔ طلوع اسلام

قائم کرسکیں کہ کون ان کے اعتماد کا مستحق ہے۔

(۱) انتخابات میں حصہ لینے والی دوسری جماعتیں یا تو محض سیاسی جماعتیں ہیں یا محض مذہبی جماعتیں ہیں لیکن جماعتِ اسلامی ایک نظریاتی جماعت ہے جو اسلام کے نظریۂ حیات کو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں کارفرما دیکھنا چاہتی ہے۔

(۲) جماعتِ اسلامی وہ واحد مؤثر جماعت ہے جو بحیثیت جماعت یا اس کی قیادت اب تک آزمائی نہیں گئی۔

(۳) جماعتِ اسلامی ملک کے دونوں بازوؤں میں مؤثر قوت رکھتی ہے جبکہ باقی جماعتوں میں سے اکثر و بیشتر محض کسی ایک بازو تک محدود ہیں، دوسرے بازو میں ان کی قوت بالکل نہیں ہے یا غیر مؤثر ہے۔

(۴) جماعت اسلامی مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں میں بھی مؤثر تنظیم رکھتی ہے۔

(۵) جماعت اسلامی ایک منظم اور نظم و ضبط کی پابند جماعت ہے۔ ملک میں کوئی دوسری سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے جس کے ٹکٹ سے محروم رہنے والے متعدد افراد ٹکٹ یافتہ امیدواروں کے مقابلہ میں انتخاب نہ لڑ رہے ہوں لیکن جماعت اسلامی میں ایسی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔

(۶) جماعت اسلامی وہ واحد جماعت ہے جو سوشلسٹوں کا مقابلہ کھیتوں میں، کارخانوں میں اور درسگاہوں میں (جو ان کی قوت کے اصل مراکز ہیں اور جن کے ذریعے وہ سوشلزم کو لانا چاہتے ہیں) کر سکتی ہے اور انہیں شکست دے سکتی ہے کوئی دوسری جماعت اس پوزیشن میں نہیں ہے۔

(۷) جماعتِ اسلامی نے اسمبلی کے لئے نمائندوں کی جو ٹیم نامزد کی ہے وہ اپنے مقابلہ کی ہر ٹیم سے بہت سی خصوصیات کے اعتبار سے بہتر اور ممتاز ہے۔ مثلاً:

۱۔ جماعت کے کسی نمائندے نے خود ٹکٹ کے لئے درخواست نہیں دی بلکہ ہر ایک کو جماعت نے اپنی صوابدید سے نامزد کیا ہے یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس ٹیم کے ممبر ذاتی عزائم و اغراض نہیں رکھتے بلکہ ایک فرض کی بجاآوری کے لئے اسمبلی میں جانے کے لئے مامور کئے گئے۔

۲۔ ہر حلقہ انتخاب کی انتخابی مہم جماعت چلا رہی ہے، افراد خود نہیں چلا رہے۔

۳۔ ہر نامزد نمائندے سے ایک عہد نامہ پر کرایا گیا ہے جس میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کو ہر چیز پر مقدم رکھنے کا عہد، ملک کی وفاداری کا عہد اور اپنے اپنے عزیز و اقارب کی اغراض کے لئے اپنی اپنی پوزیشن کے ناجائز استعمال سے اجتناب کا عہد بھی شامل ہے۔

۴۔ جماعت کے نمائندوں کی عملی زندگی اور دعوے میں توافق ہے تضاد نہیں ہے

۵۔ ان میں کوئی بڑا سرمایہ دار یا جاگیردار نہیں ہے۔

۶۔ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو پہلے آزمایا گیا ہو اور آزمائش میں پورا نہ اترا ہو اور ان میں کوئی ایسا بھی نہیں ہے جس نے دورِ آمریت میں ڈکٹیٹر کا ساتھ دیا ہو یا لوٹ کھسوٹ کی ہو۔

۷۔ اس ٹیم میں اسی فیصد لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ (گریجوایٹ، پوسٹ گریجوایٹ اور مستند علماء) ہیں اور باقی سب بھی معقول تعلیم و تربیت رکھتے ہیں۔ ان میں ماہرینِ قانون، ماہرینِ شریعت، پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، ماہرینِ تجارت اور ریٹائرڈ فوجی افسران غرض ہر شعبہ زندگی کے ماہرین شامل ہیں۔

۸۔ اس ٹیم میں مختلف مسلمان فرقوں کے پیروشامل ہیں۔

۹۔ اس ٹیم کے ہر فرد کا ماضی بے داغ ہے۔

۱۰۔ یہ ٹیم نظم و ضبط کی پابند ہے اور اجتماعی عمل کی تربیت پائے ہوئے۔ کیا دوسری کوئی جماعت بھی ساری خصوصیات رکھنے والی ٹیم پیش کر سکتی ہے۔

(۸) یہ انتخابی جنگ میں کئی اعتبار سے جماعت اسلامی کا پلّہ اپنی حریف جماعتوں سے بھاری ہے جن کے باعث اس کی کامیابی کے روشن امکانات ہیں۔

۱۔ جماعت اسلامی کے ووٹ نظریاتی اور پختہ ووٹ ہیں جن کے تقسیم ہونے کا اندیشہ نہیں جبکہ ہر حلقہ انتخاب میں دوسرے امیدواروں کی کثیر تعداد کے باعث ان کے درمیان ووٹ تقسیم ہونے لازمی ہیں۔

۲۔ جماعتِ اسلامی کے پاس ہر حلقہ انتخاب میں تربیت یافتہ اور بے لوث کارکنوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور یہ چیز یک روزہ انتخاب میں انتہائی موثر بلکہ فیصلہ کن ثابت ہوگی۔

۳۔ ملک کی تعلیم یافتہ آبادی کی اکثریت ثابت سمجھ چکی ہے کہ اسلامی دستور بنانے اور اسلام کے نظامِ حیات کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ہر شعبۂ زندگی میں قائم کرنے کے لئے جس علم صلاحیت اور تربیت کی ضرورت ہے وہ جماعتِ اسلامی کے سوا کسی دوسری جماعت کو حاصل نہیں ہے۔

۴۔ عوام میں یہ بات کھلم کھلا کہی جارہی ہے کہ ہم باقی سب کو آزما چکے ہیں اور اب جماعتِ اسلامی کو آزمانا چاہتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی عوام میں تبدیلی کی اس خواہش نے انگڑائی لی ہے تو پھر اس تبدیلی کو حقیقت بننے سے کوئی چیز روک نہیں سکی ہے۔

ان حقائق کی بنا پر اور ملک کے دونوں بازوؤں میں جماعت کی انتخابی پوزیشن کا جو جائزہ میں نے لیا ہے، اس کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی ۷ر دسمبر کو نمایاں کامیابی حاصل کرے گی اور مشرقی اور مغربی دونوں بازوؤں میں جماعت کے نمائندے بڑی تعداد میں منتخب ہونگے۔

چوھدری رحمت علی

سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی پاکستان "

۴۔ ایک اور

وہ **جماعت اسلامی وہ واحد جماعت ہے**

جس نے ملک کے دونوں خطوں اور صوبوں میں متناسب نمائندے کھڑے کئے ہیں

جماعتِ اسلامی کے جملہ امیدوار —— **۴۸۹**

قومی اسمبلی کے لئے ۔(۱۴۸)۔امیدوار ۔ قانون دان (۲۷)، پروفیسر اساتذہ و پرنسپل (۷)، ریٹائرڈ جج (۱)، ڈاکٹر (۲)، انجینئر (۲)، صحافی، پیر صاحبان (۲)، ریٹائرڈ اعلیٰ فوجی افسر (۵)، گریجویٹ و پوسٹ گریجویٹ (۸۵)، مستند علمائے دین (۲۱)،

مشرقی پاکستان سے (۱۸۳) امیدوار صوبائی اسمبلی ۔ قانون دان (۲۷)، ڈاکٹر (۱۷)، پروفیسر و اساتذہ (۵۰)،

پیر صاحبان (۴)، گریجوایٹ و پوسٹ گریجوایٹ (۱۰۷)، مستند علمائے دین (۲۰)،

مغربی پاکستان سے (۱۵۸) امیدوار صوبائی اسمبلی - قانون دان (۴۸)، پروفیسر پرنسپل اساتذہ (۵۹)، ڈاکٹر (۲۵)، صحافی (۲)، پیر صاحبان (۷)، ریٹائرڈ اعلیٰ فوجی افسر (۲)، گریجوایٹ و پوسٹ گریجویٹ (۸۵)، مستند علمائے دین (۲۱)

یہ بہترین ٹیم ہے جو جماعت اسلامی سامنے لائی ہے۔

(شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان) "

۵۔ ۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

وہ

دُنیا کے کونے کونے سے

پیغامات ، اپیلیں ، دعائیں

روئے زمین پر مسلمان جہاں بھی آباد ہیں وہ جماعتِ اسلامی کی کامیابی کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔

"دنیا بھر کے مسلمان پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور جماعتِ اسلامی سے جو دلچسپی اور اس کے لئے جو نیک تمنائیں رکھتے ہیں اس کا اندازہ ان لاتعداد تحریروں پیغامات اور خطوط سے ہوتا ہے جو عالمِ اسلام کے مختلف اخبارات اور جرائد میں شائع ہو رہے ہیں اور جماعتِ اسلامی کے مرکزی دفتر میں موصول ہو رہے ہیں یہاں ان میں سے بعض پیش کئے جاتے ہیں"۔

انڈونیشیا:- یہ بات کسی شک و شبہ کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان کا مستقبل نہایت روشن اور مستحکم ہے۔ کیونکہ جماعت اسلامی مولانا مودودی کی قیادت میں اس ملک (پاکستان) کی اسلامی تعمیر کے لئے نہایت عظیم اور قابلِ تعریف کردار سرانجام دے رہی ہے۔ (ڈاکٹر ناصر، سابق وزیر اعظم انڈونیشیا)

سعودی عرب:- "بیت اللہ شریف کے جوار میں رہنے والے مسلمان جماعتِ اسلامی کے جہاد کو مضطرب دلوں اور دعاگو زبانوں کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانانِ عالم اس وقت دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اللہ انتخابات میں جماعت کی مدد فرمائے! افقِ عالم پر اب نور کی کرنیں جھلملا رہی ہیں۔" (مشترکہ بیان استاذ محمد المبارک رکن مشاورتی کونسل (مدینہ یونیورسٹی) (استاذ محمد امین المصری (مکہ) صدر شعبہ اسلامیات شریعت کالج (مکہ)

یمن:- "درحقیقت جماعت اسلامی کی کامیابی نہ صرف ملتِ اسلامی کے لئے بلکہ پوری دکھی انسانیت کے لئے پیغامِ رحمت ہوگی۔ اگر جماعت اعلیٰ اسلامی اقدار کو بحال کرنے میں کامیاب ہو گئی تو اس سے عہدِ حاضر کی تاریخ کا دھارا بدل جائے گا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ اس معرکے میں جماعتِ اسلامی کو کامیاب کرے۔" حسین بن یحییٰ الذاری ڈائریکٹر وزارت تعلیم الجمہوریہ یمن

امریکہ:- "پاکستانی بھائیوں اور بہنوں سے ہماری التجا ہے کہ وہ اپنی عقل اور قوت فیصلہ کو (انتخابات میں) اسلام کے مخلص علمبرداروں کے حق میں استعمال کریں۔ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کی بقا قرآن و سنت کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ تاریخ اور سارا عالمِ اسلام ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔"

(امریکہ میں رہنے والے ۲۵۰ نوجوانوں کے دستخطوں سے مشترکہ اپیل)

کویت:- جماعت اسلامی نے اپنے تاریخی منشور میں انسانی زندگی کے لئے اسلامی شریعت کے دیئے ہوئے حل پیش کر

دیتے ہیں۔ یہ منشور نہایت اہم تاریخی دستاویز ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جو ملک بھی اسلام پر یقین رکھتا ہو اس میں اصلاحی و تعمیری انقلاب کیسے برپا کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر کویت کے لئے یہ نہایت مفید چیز ہے کیونکہ یہاں بھی جنوری ۱۹۷۱ء میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہو رہے ہیں۔" جمعیت اصلاح اجتماعی (کویت)

لبنان :۔ اس جماعت (جماعت اسلامی) نے ہر مرحلے پر کوشش کی ہے کہ پاکستانی ریاست کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنا دیا جائے۔ جماعت اسلامی کا انتخابی منشور ایک عظیم انقلابی دستاویز ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ جماعت اسلامی انتخابات میں کامیاب ہو اور اپنے منشور کو عملی جامہ پہنانے کی اسے توفیق ملے۔" (ہفت روزہ الشہاب۔ بیروت)

مصر :۔ جماعت اسلامی اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ پاکستان کے بہادر اور عظیم مجاہدو! رائے دہی کے مراکز کی جانب بڑھو اور جماعت اسلامی کے نمائندوں کو ووٹ دو۔"

(عشماوی احمد سلیمان۔ رکن مجلس اساسی اخوان المسلمون۔ مصر)

شام :۔ ہم لوگ یہاں حرم شریف میں خانہ کعبہ کے زیر سایہ رمضان المبارک کے آخری مبارک دنوں میں اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعائیں مانگ رہے ہیں کہ وہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو کامیاب کرے۔ آپ لوگ ملحدوں اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔" خط استاذ محمد المبارک سابق پرنسپل۔ شریعت کالج دمشق، شام۔ بنام مولانا مودودی۔

کویت :۔ ہمارے دل آپ اور آپ کی جماعت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ کاش ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ پاکستان میں باطل کی سرکوبی کے لئے کام کر سکتے۔ امید ہے کہ اہل کفر و باطل کا کلمہ پست رہے گا اور اللہ کا کلمہ بلند و برتر ہوگا۔

(خط ایڈیٹر المجتمع (کویت) بنام مولانا مودودی)

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ حضرات کے لئے کامیابی کی دعائیں برابر کی جا رہی ہیں۔" (سید احمد۔ مدنی۔ مدینہ)

سوڈان :۔ ہم اس دن کا بے تابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں جب جماعت اسلامی پاکستان میں اسلام کو غالب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ جماعت اسلامی کی کامیابی اسلام اور ملت اسلامی کی کامیابی ہے۔ پاکستان کا اسلامی انقلاب سوڈان کے مسلمانوں کے لئے حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا۔ (عبداللہ محمود برآت (اسلامی رہنما) سوڈان)

قطر :۔ جماعت اسلامی کی کامیابی سے اسلام پورے ایشیا کے اندر ایک عظیم طاقت بن جائے گا اور جماعت اسلامی کی ناکامی سے صرف اسرائیل اور سامراجی اور اشتراکی ممالک خوش ہوں گے۔ عبدالبدیع صقر۔ ڈائریکٹر دارالکتب۔ دوحہ (قطر)

ایران :۔ پروردگار جماعت اسلامی اور اسلام پسند طاقتوں کو کامیاب کرے اور باطل پرستوں اور اشتراکیت اور لادینیت کے علمبرداروں کو رسوا کرے۔" ہادی خسروشاہی۔ ایڈیٹر مکتب اسلام۔ قم۔ (ایران)

ملائشیا :۔ ہماری محفلوں میں آجکل پاکستان کے حالیہ انتخابات کا چرچا رہتا ہے۔ مجھے جماعت اسلامی کی پوزیشن کے بارے میں جو کچھ معلومات ملتی رہتی ہیں میں ساتھیوں کو بتاتا رہتا ہوں۔ اس وقت ہم سب دن رات دعائیں کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان میں کامیاب ہو اور ۱۹۷۱ء کے سال کا آغاز غلبۂ اسلام کا پیغام لے کر آئے۔"

الحاج جلیل الدین۔ رہنما اسلامی پارٹی۔ ملائشیا۔

ترکی :۔" جماعت اسلامی پاکستان اور حضرت مولانا مودودی کی عظیم قیادت اسلامی خلافت کے احیاء کے لئے زبردست جہاد کر رہی ہے۔ مولانا مودودی ہم ترک مسلمانوں کے بھی رہنما ہیں اور باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مولانا مودودی کے لٹریچر سے

ترکی کے اندر مسلمان نوجوان کو بیدار کر دیا ہے۔ حالیہ انتخابات میں جماعتِ اسلامی کی کامیابی بیسویں صدی کے نصف آخر کا سب سے بڑا واقعہ ہوگا۔ اس سے عالمِ اسلامی پر خوش کن اثرات پڑیں گے۔"

صالح اوزخان۔ ایڈیٹر مجلہ ہلال۔ انقرہ (ترکی)

عراق:۔ جماعتِ اسلامی حق و باطل کا معرکہ لڑ رہی ہے۔ ۲۳ سال سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ جماعت مولانا مودودی کی قیادت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے کوشاں ہے۔ اس کے لیڈروں نے اسلامی دستور کے لئے اور پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ میں پاکستان کے علماء اور محبانِ اسلام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جماعت اسلامی کو کامیاب کرائیں اور اس تجربہ کا اعادہ نہ کریں جو عرب ممالک کے اندر سوشلزم اور لادینیت کے علمبردار کر چکے ہیں۔

(محمد محمود الصواف، نامور اسلامی رہنما۔ عراق)

اٹلی:۔ میں اپنے ہر سانس کے ساتھ جماعت اسلامی کی کامیابی کی دعائیں کر رہا ہوں۔ میں نے جماعت اسلامی کا منشور پڑھا ہے۔ میرے نزدیک جماعت اسلامی کی یہی عظیم کامیابی ہے کہ اس نے ایسا انقلابی منشور تیار کر دیا ہے۔ اللہ تعالے اس جماعت کو مددِ خاص سے کامیاب کرے۔ جماعت اسلامی کی کامیابی میری آرزوؤں کا حاصل ہے۔

احمد نصر الدین۔ اٹلی

" شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان

۶۔ ایک اور

" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ملت سے خطاب

ملک کے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے

کہ جماعت اسلامی ہی اس وقت پاکستان میں اسلام کا حصار ہے۔ اسی وجہ سے ملک کے اندر ہی کی نہیں، باہر کی بھی تمام دشمنِ اسلام قوتیں متفق ہو کر اپنا سارا زور اس حصار کو توڑنے پر صرف کر رہی ہیں۔ کیونکہ یہاں اسلام کے نادان دوست چاہے اس بات کو نہ سمجھ رہے ہوں مگر دانا دشمن اسے خوب سمجھ رہے ہیں کہ اگر یہاں اسلام کا یہ حصار ٹوٹ جائے تو پھر کوئی دوسری منظم طاقت اس ملک میں ایسی موجود نہیں جو ان کا راستہ روک سکے۔

یہی جماعت ہے جس نے تیس سال مسلسل سائنٹیفک طریقے سے منظم کام کر کے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے کی بھاری اکثریت کی رائے کو اسلام کے حق میں ہموار کیا ہے۔ بڑے پیمانے پر تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں طلبا اور استادوں کے اندر نفوذ کیا ہے اور مزدوروں اور کسانوں میں دشمنِ اسلام طاقتوں کے اثرات کا زور توڑا ہے اور عوام کے اندر بیداری پیدا کی ہے۔

اس جماعت کو لادینی اور سوشلزم اور صوبہ پرستی کی طاقتیں اپنا اصل حریف سمجھتی ہیں۔ اسی لئے ان کی ساری گالیاں اور تمام سازشیں اور پروپیگنڈہ کی ساری توپیں اسی کے لئے وقف ہیں۔ یہاں اسلام کے دوسرے حامی خواہ وہ بڑے بڑے نامور افراد ہوں یا مختلف جماعتیں، ان کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن جماعتِ اسلامی کو اگر زک پہنچ جائے تو ان افراد اور جماعتوں کے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ جو طوفان آ رہا ہے اس کے آگے بند باندھ سکیں یا اس کا منہ پھیر سکیں۔

اپنا ووٹ جماعت اسلامی کے امیدواروں کو دے کر اسلام کے حصار کو مضبوط کیجئے!

۷۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۰ء (انتخابات سے صرف ایک روز پہلے)

"جماعت اسلامی نے ہر محاذ پر ملک و ملت کی خدمت کی ہے

جماعت کے ۲۳ سالہ جہاد کی ایک جھلک

- بحالی مہاجرین (بوقت تشکیل پاکستان) پر خرچ کردہ رقم ———— ۵۰۰۰۰ روپے
- مفت طبی امداد کے نظام کا ایک سال کا خرچ ———— ۲۸۸۹۳۶ "
- کل زیر علاج مریض (ایک سال) ———— ۱۸۴۸۵۲۳ افراد
- اعانت سیلاب زدگان پنجاب ———— ۶۰۳۶۰ روپے
- مشرقی پاکستان کے مصائب میں ۹ مواقع پر مجموعی امداد ———— ۱۴۸۷۰۸۳ "
- جہاد ۱۹۶۵ء کے لئے دفاعی فنڈ ———— ۱۳۷۳۶۵ "
- جہاد کشمیر فنڈ اور کشمیری مہاجرین کی امداد ———— ۳۹۴۶۰۴-۳۳ "
- جہاد فلسطین فنڈ (و دیگر عرب ممالک سے تعاون) ———— ۴۷۷۹۰۴ "

جماعت اسلامی صرف انتخابی موسم کی خود رو جماعت نہیں ہے۔

جماعت اسلامی چوتھائی صدی سے ملت کی بھلائی کے کام کر رہی ہے۔

آپ دوسری جماعتوں کو بھی خدمتِ خلق کے معیار پر جانچ کر دیکھئے۔ پھر سوچ کر فیصلہ کیجئے کہ دین کی سربلندی اور عوام کی فلاح کے لئے آپ کس کا ساتھ دیں۔

دین و وطن کے روشن مستقبل کی ضامن —— جماعت اسلامی

" شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان "

۸۔ ایک اور

" افراد اور جماعتوں کی پرکھ یہ ہے کہ ان کی خدمات اور قربانیوں کو دیکھا جائے۔

جماعت اسلامی کی خدمات اور جماعت اسلامی پر عنایات

خدمات

- پاکستان بننے کے بعد مہاجر کیمپوں میں کارکنوں نے مصیبت زدہ بھائیوں کو سہارا دیا۔
- ۱۹۴۸ء کے اوائل سے اسلامی دستور کی مہم شروع کی جو ۱۹۵۶ء کا دستور بننے تک جاری رہی۔
- سیلابوں، طوفانوں اور قومی مصائب کے تمام موقعوں پر ہر علاقے میں مصیبت زدہ عوام کی خدمت کی۔
- بحالی جمہوریت کے لئے آمریت کے خلاف مشکل ترین حالات میں مسلسل جدوجہد کی۔
- ستمبر ۱۹۶۵ء میں جہاد کی سرگرمیوں میں جسمانی، مالی اور دماغی سارے ذرائع سے تعاون کیا۔
- پورے ملک میں اجتماعات، تربیت گاہوں، درسِ قرآن و حدیث اور دار المطالعوں کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو

قوم میں پھیلایا اور اخلاقی قدروں کی آبیاری کی۔

- اسلامی نظام کے ہر شعبے سے متعلق جامع لٹریچر تیار کیا جس کے مطالعے سے ہزاروں نوجوانوں کی زندگیاں بدل گئیں۔
- عالمِ اسلام میں وحدت پیدا کرنے کی مسلسل کوششیں کیں اور ۲۰ زبانوں میں لٹریچر کے تراجم پھیلائے۔
- اس وقت جماعت اسلامی کا پیغام ۴۳ ممالک کے ۴۸ اخبارات و رسائل میں شائع ہو رہا ہے۔
- سامراجی طاقتوں کے نفوذ اور غیر اسلامی نظریات اور تحریکوں کا مقابلہ کیا۔
- سوشلزم کے طوفان کے آگے بند باندھا اور اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔
- فحاشی، بے حیائی اور فسق و فجور کے خلاف رائے عامہ کو متحرک کیا۔

عنایات جو جماعت اسلامی پر کی گئیں۔

- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو چار مرتبہ گرفتار کیا گیا۔ مجموعی طور پر ۷۵ ماہ جیل میں رکھا گیا اور ۱۹۵۳ء میں انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی جس کے نفاذ کے لئے اذنِ الٰہی نہیں تھا۔
- میاں طفیل محمد کو چار مرتبہ گرفتار کیا گیا اور مجموعی طور پر ۵۰ ماہ جیل میں رکھا گیا۔
- جماعت اسلامی کے ۲۱۲ رہنما اور کارکن اسیری کے ابتلا سے گزر چکے ہیں۔
- جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کے خلاف ۲۷۸ مقدمات قائم کئے جا چکے ہیں۔
- جماعت اسلامی کے ۸ کارکن شہید کئے جا چکے ہیں۔
- مزید براں ۸ کارکنوں کو شہر بدر، ۱۲ ارکان کو جلاوطن اور سینکڑوں افراد کو ملازمتوں سے محروم کیا گیا۔
- جماعتِ اسلامی کے اخبارات و رسائل پر دس بار مختلف پابندیاں اور ضمانتیں عاید کی جا چکی ہیں۔
- جماعت اسلامی کو مارشل لاء ۱۹۵۸ء کے علاوہ ایوبی آمریت نے ۱۹۶۴ء میں خلافِ قانون قرار دیا اور تمام دفاتر سربمہر کر دیئے گئے۔
- ۱۹۶۹ء تک جماعت مخالفانہ پراپیگنڈہ اور جبر و تشدد کا نشانہ بنی رہی۔
- تفرقہ بازی اور کانگریسی مولوی صاحبان کی طرف سے تکفیر و تفسیق اور گالیوں کا تو کوئی حد و حساب نہیں ہے۔

یہ ہیں جماعت اسلامی کی خدمات اور آزمائشوں کا بیلنس شیٹ

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اس جماعت سے بڑھ کر اور کون آپ کی نمائندگی کا مستحق ہے؟

(شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان) ‘‘

’’صدر یحییٰ نے ہر محبِ وطن شخص کے جذبات کی ترجمانی کی ہے ـــــــ مودودی

امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے صدر پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان کی نشری تقریر کے فوراً بعد ایک بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صدرِ مملکت نے قوم کو ایک عظیم فرض یاد دلایا ہے۔ صدر نے نیک دل افراد، نظریۂ پاکستان اور ملکی سالمیت کے حامی امیدواروں کو ووٹ دینے کی تلقین کی ہے۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جس کی ہر محبِ وطن شخص قدر کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ مولانا مودودی نے کہا کہ یہ نظریۂ پاکستان ہی ہے جو ملک کے مختلف حصوں کو ایک وحدت کی شکل عطا کرتا اور اس کے لئے ایک واضح نصب العین کا تعین کرتا ہے۔ یہی واحد کسوٹی ہے جسے سامنے رکھ کر ہر

دوٹر یہ معلوم کرسکتا ہے کہ اسے کس کی حمایت اور کس کی مخالفت کرنا ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ عوامی تائید وحمایت کی مستحق صرف وہ سیاسی جماعتیں ہوسکتی ہیں جو کل پاکستان بنیاد پر منظم ہوں، نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت پر ایمان رکھتی ہوں اور جنہیں ملک کے ہر حصے کے عوام کی تائید حاصل ہو کسی خاص علاقے کے مفادات کے لئے کام کرنے والی جماعتیں یا گروپ اس معیار پر ہرگز پورے نہیں اترتے۔ عوام کو علاقائی اور لسانی تعصبات، فرقہ وارانہ جذبات اور شخصیت پرستی کے اثرات سے بالاتر ہو کر اپنا فیصلہ دینا چاہیئے۔ مولانا مودودی نے توقع ظاہر کی ہے کہ صدر یحیٰی خان نے انتخابات کے موقع پر امن وامان برقرار رکھنے کی جو یقین دہانی کرائی ہے اسے عملی جامہ بھی پہنائینگے۔"

۹۔ مقطع کا بند

مشائخ عظام کی طرف سے جماعت اسلامی کی حمایت کا اعلان

ہم خاک پایان اولیاءکرام وخادمان مشائخ عظام مملکت خداداد پاکستان میں سوشلسٹوں کی تشدد آمیز کاروائیوں گوریلا جنگ کی دھمکیوں اور گھیراؤ وجلاؤ کے نعروں کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور فراست سے یہ بات بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہماری موجودہ نسل میں سے چند ایک نوجوانوں کو پیٹ اور بھوک کے مسئلہ پر گمراہ کیا جارہا ہے اور سادہ لوح دیہاتی عزیزوں کو زمین کا لالچ دے کر آمادہ فساد کیا جا رہا ہے اور بعض کارخانہ داروں کی غلط روش کو بنیاد بنا کر مزدوروں کو اسلام اور آقائے نامدار عربی تاجدار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اسلامی نظام عدل ومعیشت سے ہٹا کر یہودی کارل مارکس اور لینن وغیرہ کے پیروکار بنانے کی منظم کوشش کی جارہی ہے۔

ہم یہ بات بھی بتا دینا اپنا روحانی فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں جہاں بھی کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں نے دھوکہ دہی سے حکومتوں پر قبضہ کیا ہے، وہاں کی عبادت گاہیں، مساجد وخانقاہیں برباد کردی گئی ہیں اور بے دینی کا ایسا ماحول بنا دیا گیا ہے کہ شعائر اسلامی تک ادا نہیں کئے جاسکتے۔ اس کی واضح مثالیں روسی ترکستان کے علاقہ تاجکستان، ازبکستان، ماوراء النہر بخارا شریف، تاشقند اور سمرقند، مصر، عراق اور شام میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

لہٰذا — اندریں حالات ہم اپنے تمام مریدین، معتقدین اور متوسلین کو ہدایت کرتے ہیں کہ :-

۱۔ سوشلزم جیسے کافرانہ نظام کے مضر اثرات لوگوں پر واضح کئے جائیں اور کسی بھی سوشلسٹ کو کہیں بھی کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔

۲۔ اس نازک مرحلہ پر جماعت اسلامی پاکستان کے پروگرام اور طریق کار سے اتفاق کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں کہ اس کی امداد واعانت کی جائے کیونکہ یہ جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جو سوشلسٹوں اور تشدد پسندوں کے سامنے سینہ سپر ہے اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنی ہوئی ہے۔

۳۔ ذکر اللہ اور میلاد کی مجالس قائم کی جائیں اور ان میں پاکستان کے استحکام وسالمیت کے لئے اور نظریہ پاکستان کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگی جائیں تاکہ وطن عزیز دشمنان دین کی دست برد سے

محفوظ رکھا جاسکے۔ اور حضور پاک سید لولاک شفیع المذنبین رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس ملک کو حضرات اولیاء کرام اور خواجگان عظام کے نقش قدم پر چلایا جاسکے۔

اللّٰھم انصر من نصر دین سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم
اللّٰھم اخذل من خذل دین سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم

(یہاں بہت سے اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے دستخط ثبت ہیں)

سات دسمبر کو انتخاب ہونیوالے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے یعنی ۶ دسمبر کو مودودی صاحب نے حسب ذیل پیش گوئی فرمائی۔

انتخابات میں شکست سوشلسٹوں کا مقدر بن چکی ہے۔ جماعت اسلامی کے نمائندے انتخابات میں بڑی تعداد میں کامیاب ہونگے۔ ماضی قریب میں جماعت اسلامی کی اہمیت اور مرکزیت میں روز بروز تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ان حالات میں جماعت کے ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ۷ دسمبر کو انہیں جس قدر ذلت آمیز شکست ہوئی اس کی سینہ کوبی کی دردناک صدائیں آج تک فضا کو ماتم کدہ بنائے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشائخ عظام کی مخلص دعاؤں کو شرف اجابت عطا فرمایا۔ انہوں نے بحضور رب العزت عرض کیا تھا کہ

اللّٰھم اخذل من خذل دین محمدؐ

اے اللہ! جو دین محمدؐ کو رسوا کرے، تو اسے رسوا کر دے۔

یہ اسی دعا کی باریابی کا نتیجہ تھا کہ اس جماعت کو جس نے دین نبی اکرمؐ کو بازیچۂ اطفال اور مضحکہ خیز بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، ایسی رسوا کن شکست نصیب ہوئی۔

اگر کسی کے دل میں غیرت وحمیت کی ذرا سی رمق بھی ہوتی تو وہ اس ذلت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیاست سے توبہ کر لیتا اور منہ چھپا کر جنگل میں جا بیٹھتا لیکن یہ کیسی اور دنیا کی باتیں ہیں۔ یہ حضرات ایسی کچی مٹی کے بنے ہوئے نہیں۔ سنیئے کہ اس شکست پر ان کا ردعمل یا مزید فریب کیا تھا۔ جب ایک پوچھنے والے نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ جب ہم حق پر تھے تو پھر ناکام کیوں رہ گئے۔ تو آپ نے پوری دیدہ دلیری سے فرمایا کہ اگر ہم ناکام رہ گئے تو کیا ہوا!

بعض انبیاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ساری عمر دین کیطرف دعوت دینے میں کھپا دی اور ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ (ایشیا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء)

(اسکے برعکس جماعت اسلامی کو) گزشتہ ایک سال کی جدوجہد میں کئی لاکھ نئے حامی مل گئے۔ (ترجمان القرآن جنوری ۷۱ء)

جب ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کی شب کو انتخابات کے نتائج کی پہلی کھیپ سامنے آئی تو ان سے اپنی شکست کو دیکھ کر مودودی صاحب بلا ساختہ پکار اٹھے کہ ان انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا جانا چاہیئے۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں انہوں نے کیا کچھ کیا، اس کی پردہ کشائی تو کوئی آنے والا مورخ ہی کرسکے گا۔ لیکن نتیجہ اس کا ہمارے سامنے ہے کہ کم از کم (مشرقی پاکستان کے انتخابات کا مردمنت (ایک حصہ) کالعدم قرار پاگیا اور یوں اس جماعت کو سابقہ ناکام تجربہ کی تلافی کا ایک موقعہ ہاتھ آگیا۔

قرآن کریم نے یہودیوں کے متعلق کہا تھا کہ دنیا میں ہر جگہ ذلت و خواری ان کا پیچھا کرے گی اور اگر انہیں کہیں پناہ ملے گی تو یا بحبل اللہ اور یا بحبل الناس۔ اس جماعت نے جب دیکھ لیا کہ انہیں خدا سے التجائیں اور اس کے مقربین سے دعائیں کرا کر بجز ذلت و خواری کچھ ہاتھ نہیں لگا تو انہوں نے حبل الناس کو اپنی پناہ گاہ بنایا اور انتخابی محاذ میں ان پارٹیوں کے ساتھ اتحاد کیا جن کی طرف یہ سال گزشتہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ ان کے ساتھ اتحاد کیا اور لوگوں سے حسب ذیل اپیل کی:۔

اسلام، نظریۂ پاکستان اور ملک کی سالمیت کیلئے

جماعت اسلامی ایک مرتبہ پھر آپ کے مالی ایثار کی طلبگار ہے

"جماعت اسلامی نے پاکستان کو اسلام اور نظریۂ پاکستان پر قائم اور تعمیر کرنے اور اس کو مضبوطی کے ساتھ اپنے نظریئے سے وابستہ رکھنے کے لئے اب تک جو کام کیا ہے وہ ملک کے حالات سے باخبر کسی شخص کی نظروں سے مخفی نہیں ہے۔ ملک کے اندر اور باہر کی اسلام دشمن اور پاکستان دشمن طاقتوں نے جماعت اسلامی کے اسی قصور کی بنا پر اسے ملک کی سیاسی زندگی سے خارج کرنے کے لئے جس جس طرح سے کوششیں کی ہیں ان سے بھی دیدہ بینا رکھنے والے اہل وطن ناواقف نہیں ہیں۔ گزشتہ ماہ مارچ میں جو بغاوت مشرقی پاکستان میں رونما ہوئی اور جس کا ابھی تک پوری طرح خاتمہ نہیں ہوا ہے اس کو فرو کرنے میں جماعت اسلامی سے وابستہ لوگوں نے جس طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر افواج پاکستان کا ساتھ دیا اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

اب وہاں ضمنی انتخابات کا مرحلہ درپیش ہے جماعت اسلامی نے پوری کوشش کی ہے کہ ہم خیال جماعتوں میں مفاہمت ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کا مقابلہ نہ کریں۔ چنانچہ ہم خیال جماعتوں کے فیصلے کے مطابق جماعت نے قومی اسمبلی کی صرف ۱۹۔ اور صوبائی اسمبلی کی صرف ۷۰ نشستوں کے لئے امیدوار کھڑے کئے ہیں۔ جن میں سے قومی اسمبلی کے پانچ اور صوبائی اسمبلی کے چار امیدوار کامیاب ہو گئے ہیں۔ قومی اسمبلی کی باقی چودہ اور صوبائی اسمبلی کی ۶۶ نشستوں کے لئے جماعت کے نامزد کردہ امیدواروں کو انتخاب لڑنا ہو گا۔ سب کو معلوم ہے کہ جماعت اسلامی غریبوں اور زیادہ سے زیادہ متوسط درجہ کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ جماعت کے عام اور معمول کے اخراجات تو اس کے کارکن پیٹ کاٹ کر چلا لیتے ہیں لیکن ہنگامی اور وسیع اخراجات کے طالب کاموں میں امداد کے لئے ہمیں اپنی قوم کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ جماعت کے کارکن انتہائی کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ تاہم اگر کم سے کم خرچ کیا جائے تو پھر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلی کی ۸۰ نشستوں پر انتخاب لڑنے کے لئے کتنا خرچ ہو گا؟ اس لئے میں اپنی قوم کے ان تمام حضرات سے جو ملکی اور ملی معاملات کو صحیح رخ پر رکھنے کے لئے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جماعت کے نمائندوں کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کام میں جماعت کا ہاتھ بٹائیں۔ جن حضرات کے پاس جماعت کے کارکن نہ پہنچ سکیں وہ خود تکلیف اٹھا کر اپنی امانت جماعت کے مقامی کارکنوں تک پہنچا دیں۔

یا ● — ناظم مالیات جماعت اسلامی، پاکستان۔ ۵۔ اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ لاہور

یا ● — پروفیسر غلام اعظم صاحب امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان۔ ناکھل پاڑہ۔ ڈھاکہ

کے پتے پر ارسال کر دیں۔ جو حضرات مغربی پاکستان سے اپنی رقمیں براہ راست مشرقی پاکستان بھیجیں، وہ اگر مرکز جماعت اسلامی

لاہور کو بھی اس کی اطلاع دے دیں تو بہتر ہے تاکہ مرکز کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ مجموعی طور پر کتنی رقم وہاں پہنچ چکی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

امیر جماعت اسلامی پاکستان

(ایشیا۔ ۳۱ راکتوبر ۷۰ء)

یہ اپیل بڑی معنی خیز ہے اور اکثر لوگوں کو اس نے ورطۂ حیرت میں گم کر دیا ہے۔ "غریبوں کی اس جماعت" نے گزشتہ بیس پچیس سال میں جس طرح روپیہ سیلاب کی طرح بہایا ہے، وہ کوئی راز مستور نہیں۔ پھر سال گزشتہ، انہوں نے ۹۰۴ نشستوں پر انتخاب لڑا، اس قسم کی اپیل کی ضرورت اس وقت بھی لاحق نہ ہوئی۔ اس لئے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب ۷۵ نشستوں کے انتخاب کے لئے اس قدر افلاس کیوں در آیا، بالخصوص جب مشرقی پاکستان میں ان کے لاکھوں مسلح رضاکار موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں انتخابات پر پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت ہی کب لاحق ہوگی۔

(۵)

طلوع اسلام نہ تو خود عملی سیاست میں حصہ لیتا ہے اور نہ ہی اس کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے ہے۔ اسلئے اس نقطۂ نگاہ سے ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کونسی پارٹی انتخاب جیتتی ہے اور کونسی حکومت بناتی ہے، ہمارے سامنے پاکستان کا فروغ استحکام اور بقاء ہے اور ہم ہر مسئلہ کا جائزہ اسی نقطۂ نگاہ سے لیتے ہیں۔ اس وقت مشرقی پاکستان کے انتخابات کے سلسلے میں جن پارٹیوں کا اتحاد ہوا ہے ان میں قدر مشترک "حُبِّ علی" نہیں بلکہ "بغض معاویہ" جھلک رہی ہے۔ ان کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مرکز میں پیپلز پارٹی کی اکثریت نہ ہونے پائے۔ اس سے ہمیں ایک مہیب خطرہ کا امکان نظر آتا ہے۔ یہ سب پارٹیاں چین کے خلاف ہیں اور ہمیں خدشہ ہے کہ اگر مرکز میں یہ برسر اقتدار آ گئے اور خارجہ پالیسی ان کے ہاتھ میں ہوئی تو ان کی ساری کوشش یہ ہوگی کہ پاکستان کا رخ چین کیطرف سے بدل دیا جائے۔ اس میں انہیں امریکہ کی تائید بھی حاصل ہوگی۔ اگر ایسا ہو گیا تو آپ خود سوچ لیجئے کہ اسکا انجام کیا ہوگا۔

دوسرا خطرہ یہ ہے کہ یہ مرکز میں ایسی اقتصادی پالیسی اختیار کرینگے جس سے پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی اقتصادی پالیسی کامیاب نہ ہونے پائے۔ اس کے ساتھ ہی عوام میں ان کا یہ پروپیگنڈا بڑی شد و مد سے پھیلے گا کہ پیپلز پارٹی نے عوام سے جو وعدے کئے تھے، اب وہ پورے کیوں نہیں کرتی۔ آپ سوچئے کہ مرکز اور ان دو بڑے صوبوں کے باہمی تصادم سے کیا صورت پیدا ہوگی

ایک تیسری چیز اور بھی سامنے آئی۔ ہم ایک عرصے سے یہ تجویز کرتے چلے آ رہے تھے کہ عوام کو فوجی تربیت ضرور دی جانی چاہیئے۔ اب حکومت کی طرف سے پنجاب میں جانباز فورس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اصولی طور پر یہ فیصلہ بڑا خوش آیند ہے۔ لیکن جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا ہے، اس کے پیشِ نظر ہمیں اس میں بھی ایک خطرہ مضمر نظر آتا ہے۔ یہاں عام رضاکار تو انفرادی حیثیت سے فوجی تربیت حاصل کرینگے لیکن جماعت اسلامی سے متعلق افراد اپنی جماعتی تنظیم کے تابع ہونگے۔ اس طرح یہاں بھی اسی قسم کا ایک منظم مسلح گروہ وجود میں آ جائے گا، جس قسم کا گروہ اس وقت مشرقی پاکستان میں مصروف کار ہے اور جن کی تشدد آمیز کاروائیوں کی اطلاعات اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جانباز فورس سے متعلق حکومت کیطرف سے کسی قسم کی تفاصیل شائع نہیں کی گئیں جن سے معلوم ہو کہ اس فورس کا ڈسپلن کس قسم کا ہوگا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے آرمی کے ماتحت رکھا جائے اور ان کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی کی جائے۔

(پ۔ز)